MAULANA MOHD. ZAKARIA KI ELM-E-HADEES MEN KHIDMAAT

THESIS

Submitted for the Award of the Degree of

Doctor of Philosophy

IN

SUNNI THEOLOGY

By

RIYAZ AHMAD

Under the supervision of

D.R. EHSANULLAH FAHAD

Department of Sunni Theology
Aligarh Muslim University
Aligarh, (INDIA)
2009

تلخیص

خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کائنات میں بہت ساری مخلوقات پیدا کیے ان میں سے ایک مخلوق انسان بھی ہے جس کو اشرف المخلوقات کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ انسان بھی دنیا میں نہ جانے کتنے مذاہب اور قبائل میں بٹ گیا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے لیے ہمیشہ انسانوں کو صحیح راستہ بتانے کے لیے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرماتا رہا۔ اور ہر دور میں یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی مذہب اور کتاب کی حفاظت کا وعدہ نہیں لیا صرف ایک مذہب ایسا ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت الاسلام دیناً۔ تمام ادیان میں صرف دین اسلام ہی ایسا دین ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا اور ساری کتابوں میں صرف اور صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور ارشاد فرمایا۔ انانحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون اور اسی کے ساتھ ساتھ جس آخری اور محبوب نبی پر اس مقدس کلام کو نازل فرمایا اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی ۔ یعنی اللہ کا یہ مقدس نبی اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں وہ رب کا پیغام ہوتا ہے۔

اسی آخری نبی ﷺ کی زندگی اور ان کا قول وفعل اس مقالے کا موضوع ہے۔ یعنی مولانا محمد زکریا کی علم حدیث میں خدمات۔

میں نے اپنے اس مقالے کو پانچ ابواب پر منقسم کیا ہے اور پھر ہر باب کے تحت فصلیں قائم کی ہیں۔ میرے اس مقالے کا پہلا باب ہے مولانا محمد زکریا حیات وخدمات۔ اور اس کی چار فصلیں ہیں۔ جن میں فصل اول ہے: ہندوستانی محدثین اور ان کی خدمات ایک مختصر تعارف۔ اسی فصل میں میں نے ہندوستان میں محدثین کی آمد اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ہندوستان کے ان نامور محدثین کا ذکر

کیا ہے جنھوں نے حدیث کی خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور حدیث پاک کے فروغ کے لیے جگہ جگہ مکتب قائم کیے اور تصنیفی کارنامے بھی انجام دیئے۔

دوسری فصل میں مشائخ کاندھلہ کا تعارف کرایا گیا ہے اس میں کاندھلہ کے علماء ومشائخ کا تذکرہ کیا گیا ہے کیوں کہ مولانا زکریا صاحب کا آبائی وطن کاندھلہ ہی ہے اس مناسبت سے وہاں کے علما اور فضلاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری فصل ولادت، تعلیم تربیت ہے اس فصل میں مولانا زکریا صاحب کی پیدائش اور ان کی تعلیم وتربیت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے تعلیم کا جو ایک الگ انداز تھا اس کو بیان کیا گیا ہے مثلاً وہ اپنی آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کی اہلیہ محترمہ سے ہمارا قاعدہ بغدادی شروع ہوا یا نہیں قاعدہ بغدادی کتنے دنوں میں پڑھا۔ اس کے بعد ہمارا سی پارہ لگ گیا۔

مولانا موصوف نے عربی تعلیم منطق کے علاوہ تمام تر اپنے والد ماجد مولانا یحییٰ صاحب سے حاصل کیں۔ آپ اپنی مشکوٰۃ شریف کے شروع ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ۷ محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی۔ اس پوری فصل میں مولانا محمد زکریا صاحب کے تعلیمی اور تربیتی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اور مظاہر علوم میں مدرس ہونے اور خاص طور پر علم حدیث کی تدریس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور چوتھی فصل میں مولانا محمد زکریا صاحب کے تالیفات وتصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے مولانا موصوف اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ درس کے دوسرے سال جب میں نے الفیہ شروع کیا تو ساتھ ساتھ اس کی اردو شرح بھی شروع کی۔ جو کل تین جلدوں میں پوری ہوگئی اور اسی طرح بذل المجہود کا تذکرہ ہے جو کہ مولانا کے استاد مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تصنیف ہے آپ نے اس تالیف میں کیسے تعاون کیا اور مولانا خلیل احمد صاحب نے آپ سے کتنی مدد لی ان سب باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کے علاوہ مولانا محمد زکریا صاحب کی دیگر تصانیف کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں۔

باب دوم: باب دوم میں بھی میں نے چار فصلیں کیں ہیں جس میں پہلی فصل ہے مولانا محمد زکریا کی

تدریس حدیث کی خصوصیات۔ اس فصل میں مولانا محمد زکریا صاحب کے طریقۂ درس اور پڑھانے کے انداز کو بیان کیا گیا ہے۔ اور مولانا حدیث پاک کس اہتمام سے پڑھاتے تھے اور مسائل کو کس طرح سلجھاتے تھے اور اکثر اہم مسائل میں ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے ان سب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اوران کے درس کے نمونوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اور دوسری فصل میں مولانا محمد زکریا صاحب کی کتب حدیث کا تعارف کرایا گیا ہے۔ جس میں موصوف کی دو اہم کتابوں کا تذکرہ تفصیلی طور سے کیا گیا ہے۔ (۱) اوجز المسالک (۲) لامع الدراری۔ یہ دو شرحیں ایسی ہیں جن کا تذکرہ کرنا ضروری تھا اور یہی دونوں شرحیں خاص طور سے ہمارے اس مقالے کی جز وخاص ہیں۔ اوران کتابوں کی چند خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ اوراس کے علاوہ دیگر کتب حدیث کا بھی مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں مولانا موصوف غیر مطبوعہ کتب حدیث کا تعارف کرایا گیا۔ مثلاً حواشی المسلسلات، اصول الحدیث علی مذہب الحنیفہ، اولیات القیامہ، تخریج الجامع، تلخیص البذل اوران کے علاوہ دیگر کتب حدیث کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور چوتھی فصل میں فن ورجال حدیث سے متعلق کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ مثلاً: جزء ما قال المحدثون فی الامام الاعظم، جزء المبہمات فی الاسانید والروایات، شذرات اسماء الرجال وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب سوم فضائل اعمال ایک مطالعہ۔ اس میں بھی چار فصلیں ہیں۔ جس کی پہلی فصل میں فضائل اعمال کی سبب تالیف اوراس کے منہج کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تبلیغی جماعت کے لیے لکھی گئی۔ اس کتاب کو مولانا موصوف نے کئی لوگوں کے اصرار پر تصنیف کیا اوراس کتاب کو مصنف نے قرآن وحدیث کے حوالے کے ساتھ بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

فصل دوم میں فضائل اعمال کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے کہ اس کے مضامین کیا ہیں اور کس جلد میں کن فضائل کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں فضائل اعمال میں ذکر کردہ احادیث کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان میں سے چند موضوع اور ضعیف احادیث کو مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

فصل چہارم میں فضائل اعمال کی ان احادیث میں سے چند کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کا ترجمہ صرف مصنف نے کتاب میں لکھا ہے اور اس کی سند نہیں بیان کی ہے۔ اور نہ ہی ان احادیث کے صحت کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا ہے۔

باب چہارم: لامع الدراری۔ ایک مطالعہ: ہے اس میں تین فصلیں ہیں

فصل اول میں مقدمہ لامع الدراری ایک مطالعہ ہے اس فصل میں مولانا زکریا صاحب کے لامع الدراری پر تحریر شدہ مقدمے کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب کا ماحصل مصنف کا مقدمہ ہے جس کو مصنف نے طالب علم کے لیے نہایت پرکشش بنادیا ہے۔ موصوف کا مقدمہ چند فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور ان میں ہر فصل چند فائدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی فصل امام بخاری کے حالات وکوائف پر مشتمل ہے اور پھر انھیں کے تعلق سے دس فائدوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر لامع الدراری کے بعض اہم مباحث کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل دوم میں لامع الدراری کا منہج ذکر کیا گیا ہے کہ موصوف نے کس انداز میں اس کو تالیف کیا ہے۔ مثلاً مختلف احادیث کے رجال پر گفتگو کی گئی ہے اور ان کی جرح وتعدیل ناقدین فن حدیث کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے اور اگر کسی حدیث کی تائید قرآن کریم کی کسی آیت سے ہوتی نظر آتی ہے تو اس آیت کو ذکر کردیا ہے تا کہ بات مضبوط ہو جائے۔

فصل سوم میں موضوعات ومباحث لامع الدراری کا بیان ہے اس کتاب کی تینوں جلدوں میں کن کن مضامین کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے چند نمونے اس فصل میں بیان کیے گئے ہیں تا کہ مصنف موصوف کے انداز بیان اور تحقیق کا اندازہ ہو سکے۔ اور ان کے گفتگو کرنے کے انداز اور مبہم مسائل کو سلجھانے کا طریقہ معلوم ہو سکے۔

پانچواں باب: اوجز المسالک شرح موطا امام مالک کے نام سے ہے اس میں بھی تین فصلیں

ہیں۔

(۱) فصل اول مقدمہ اوجز المسالک ایک موضوعاتی مطالعہ ہے اس فصل میں اوجز المسالک کے مقدمہ کا ذکر ہے جو بڑے سائز کے ۸۸ صفحات پر محیط ہے اور یہ مقدمہ ایک تمہید اور سات ابواب پر مشتمل ہے پھر ہر باب کے تحت فائدوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کا پہلا باب علم حدیث سے متعلق ہے۔ اور دوسرا باب موطا اور صاحب موطا کے بیان میں ہے اور تیسرا باب مصنف کی موطا پر لکھی گئی تعلیق کے بیان میں ہے۔ اس طرح اس فصل میں مقدمہ میں ذکر کردہ فوائد اور موطا کے اور دیگر نسخوں کے بیان میں ہے۔

فصل دوم میں اوجز المسالک کی علمی خصوصیات اور اس کے مصادر کو بیان کیا گیا ہے مثلاً اس کے اکثر مباحث اکابر مشائخ سے منقول ہیں اپنی جانب سے کسی طرح کا کوئی اختراع نہیں کیا گیا ہے۔ اور اگر کہیں چند روایتیں متصادم نظر آتی ہیں تو اس کی بہتر سے بہتر تطبیق پیش کی ہے اور اس کے علاوہ احادیث کی سند اور صحت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور مصنف نے اس شرح کی تالیف میں کن اہم کتابوں کی مدد لی اس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

اور فصل سوم میں اوجز المسالک کے مضامین کے چند نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ تاکہ قاری کو مولانا موصوف کی صلاحیتوں اور ان کی اس شرح کے لیے جد و جہد کا اندازہ ہو سکے۔

میں نے اپنے اس مقالے میں مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمات حدیث کو پورے طور پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ مولانا محمد زکریا کی علم حدیث کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ بلا اختلاف مسلک و مشرب ان کا اعتراف کیا جائے اور مولانا بجا طور پر اس کے مستحق ہیں کہ ان کو شیخ الحدیث کے لقب سے یاد کیا جائے۔

فہرست مضامین

مقدمہ : ۱ تا ۷

باب اول:

فصل اول : ۹ تا ۳۲

فصل دوم : ۳۳ تا ۴۳

فصل سوم : ۴۴ تا ۵۷

فصل چہارم : ۵۸ تا ۶۵

باب دوم:

فصل اول : ۷۳ تا ۸۸

فصل دوم : ۸۹ تا ۱۰۰

فصل سوم : ۱۰۱ تا ۱۰۵

فصل چہارم : ۱۰۶ تا ۱۱۱

باب سوم:

فصل اول : ۱۱۶ تا ۱۱۷

فصل دوم : ۱۱۸ تا ۱۲۱

فصل سوم : ۱۲۲ تا ۱۲۸

فصل چہارم : ۱۲۹ تا ۱۳۱

باب چہارم:

فصل اول : ۱۳۵ تا ۱۴۵

فصل دوم : ۱۴۶ تا ۱۴۸

فصل سوم : ۱۴۹ تا ۱۶۴

باب پنجم:

فصل اول : ۱۷۰ تا ۱۸۰

فصل دوم : ۱۸۱ تا ۱۸۹

فصل سوم : ۱۹۰ تا ۲۲۲

کتابیات : ۲۳۰ تا ۲۳۲

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام حمد اس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے جس کی بارہ گاہ میں تمام حمد کرنے والوں کی حمد لوٹتی ہے اور مسلسل ومدام درود نازل ہو اس رسول ﷺ کی بارگاہ میں جن کے توسط سے ہمیں ایمان واسلام کی عظیم دولت نصیب ہوئی اور خالق کائنات کی ہزار ہار حمتیں ہوں ان نفوس قدسیہ پر جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے بلاواسطہ اکتساب فیض کیا اور پھر انھیں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خوشنودی ورضا جوئی کی سند ملی جنھوں نے صرف شمع رسالت سے روشنی ہی حاصل نہیں کی بلکہ اپنے رسول ﷺ کی آنے والی امت کے لیے سراپا مہربان بن کر اپنے آقا کی پوری زندگی اپنے مضبوط حافظوں میں محفوظ کر لیا تاکہ آنے والی نسلوں تک اسے منتقل کیا جا سکے اور پوری کائنات کے رب کی جانب سے رحمتیں نازل ہوں تابعین کی مقدس جماعت پر جنھوں نے صحابہ کی زیارت کی اور اس عظیم مقصد کے لیے اس مشکل دور میں دور دراز کے سفر کیے اور ان سے اپنے آقا محمد عربی ﷺ کی احادیث حاصل کیں اور اسے دوسروں تک پہنچایا اور اس میں سے بہتوں نے احادیث کے شخصی مجموعے بھی تالیف فرمائے۔ لطیف وکریم رب کی جانب سے بے شمار رحمتیں نازل ہوں تبع تابعین کی جماعت پر اور ان میں سے خصوصیت کے ساتھ محدثین کرام کی جماعت پر جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں پوری جدوجہد کے ساتھ احادیث کی تحصیل کی، جاں گسل مراحل سے گزر کر ان کی جمع وتدوین کا کام کیا، چھانٹ پھٹک کر موضوع احادیث کو باہر نکالا اور امت کے رشد وہدایت کے لیے احادیث نبوی کا ایسا ذخیرہ جمع کر دیا کہ ملت اسلامیہ ان کے احسان سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

جس وقت علم حدیث اپنے ایک نئے ارتقائی دور میں داخل ہو رہا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے دنیا کے مختلف گوشوں میں منتشر احادیث کے ذخیرے کو جمع کرنے کی کوشش ہو رہی تھی اسی دور میں علم حدیث ہندوستان میں بھی داخل ہوا لیکن اس زمانے میں اس علم کی ہندوستان میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہو سکی۔ چوتھی صدی ہجری میں یہ تحریک سندھ میں تھوڑی تیز ہوئی لیکن اسماعیلیوں کے انقلاب سے سرد ہو گئی۔ سلطان محمود غزنوی (۳۸۸۔۴۲۱ھ) کے دور میں مشارق الانوار جیسی کتاب لکھی گئی اور سلطنت دہلی کے دور میں ایک بار پھر سے علم حدیث کی کساد بازاری رہی لیکن اس کے باوجود اس دور میں شیخ بہاء

الدین زکریا ملتانی (٦٦٦ھ) شیخ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری جیسے نامور علماء کرام نے علم حدیث کی نشر واشاعت کی۔ نویں صدی ہجری سے علم حدیث کا بازار پھر سے گرم ہوا اور تیرہویں صدی ہجری کے اواخر تک گرم بازاری باقی رہی اور اسی گرم بازاری کا کرم ہے کہ اس وقت بھی پورے ہندوستان کے تمام مدارس میں علم حدیث کی تعلیم کا باضابطہ انتظام ہے۔ بعد کے ادوار میں ہندوستان میں علم حدیث کے مختلف مراکز رہے ان میں ایک نمایاں نام سہارنپور میں مظاہر علوم کا ہے اور علم حدیث کی اس درس گاہ کے شیخ الحدیث تھے مولانا محمد زکریا صاحب جن کی علم حدیث میں خدمات کا مطالعہ ہمارے اس تحقیقی مقالے کا عنوان ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کیا ہے اور اس موضوع کی جانب میرا میلان کیسے ہوا اس کی مختصر سی تفصیل یہ ہے کہ مولانا محمد زکریا صاحب کی فضائل اعمال جو مقبول عام ہے۔ اس میں مؤلف نے مختلف موضوعات کے ذیل میں کثرت کے ساتھ احادیث نقل کی ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان احادیث کی استنادی حیثیت کی جانب اشارے بھی کردیے ہیں۔ ہندوستانی مصنّفین کی فضائل کی کتابوں میں یہ ایک نئی بات تھی جو مجھے بھا گئی اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ مؤلف علم حدیث سے بڑا لگاؤ رکھتے ہیں چنانچہ میں نے ان کی فن حدیث سے متعلق دیگر کتابوں کی تلاش شروع کردی جستجو کے بعد حیرانی ہوئی کہ مولانا محمد زکریا صاحب کی علم حدیث میں تیس سے زائد کتابیں ہیں۔ چوں کہ اس موضوع پر ابھی تک ڈاکٹریٹ کی سطح کا کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا تھا اس لیے میں نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کا انتخاب کیا اور پھر جب میں نے ڈاکٹریٹ کے لیے اس موضوع پر اپنا خاکہ پیش کیا تو اسے فیکلٹی آف تھیولوجی شعبہ سنی دینیات سے منظوری بھی مل گئی۔ منظوری ملنے کے بعد میں مواد کی فراہمی میں مشغول ہوگیا۔ اس کے لیے مجھے چند اسفار کی ضرورت بھی پیش آئی کیوں کہ موضوع میں ندرت تھی اور دوسرے یہ کہ موضوع شخصی بھی تھا اور عموماً شخصیات سے متعلق موضوعات کے مواد ان اداروں یا علمی مراکز میں ہوا کرتے ہیں جو ان سے منسوب ہوں۔ یا ان شخصیات کے رشتے داروں کے زیر انتظام چلا کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کا سفر کیا وہاں مولانا تقی الدین ندوی سے ملاقات ہوئی

اور انھوں نے اپنی وسعت بھر ہماری علمی معاونت کی۔ اسی سلسلے میں دیوبند اور سہارنپور بھی گیا۔ دارالعلوم اور مظاہر علوم کے مکتبات سے بھی مطلوبہ مواد حاصل کیے۔ دیوبند کے اشاعتی اداروں سے موضوع سے متعلق کتابوں کی خریداری کی۔ سہارنپور میں مکتبہ یحیویہ کے ذمہ دار مولانا شاہد صاحب سے ملاقات ہوئی اوران سے تبادلہ خیال کیا۔ یہ دو سفر ایسے تھے جس کے ذریعہ میں نے باہر سے مواد حاصل کرنے کی کوشش کی ورنہ خود میں نے سب سے زیادہ استفادہ فیکلٹی آف تھیولوجی کی لائبریری سے کیا اور اس طرح مواد کی فراہمی کے بعد میں مقالے کی تیاری میں لگ گیا اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ اللہ کے فضل وکرم سے مقالہ تیار ہو گیا۔

میں نے مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی علم حدیث میں خدمات کے عنوان سے تحریر کردہ اس مقالے کو ایک مقدمہ، پانچ ابواب پر منقسم کیا ہے۔

باب اول: مولانا محمد زکریا حیات وخدمات - یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل ہندوستانی محدثین اور ان کی خدمات ایک مختصر تعارف۔ دوسری فصل مشائخ کاندھلہ ایک تعارف۔ تیسری فصل ولادت تعلیم وتربیت۔ چوتھی فصل تالیفی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز، کے عنوان کو محیط ہے۔

باب دوم: مولانا محمد زکریا خدماتِ حدیث کے چند پہلو۔ یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل مولانا محمد زکریا کی تدریس حدیث کی خصوصیات۔ دوسری فصل مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی چند نمایاں کتب حدیث کا مطالعہ۔ تیسری فصل مولانا محمد زکریا کی غیر مطبوعہ کتب حدیث۔ چوتھی فصل فن رجالِ حدیث سے متعلق کتابوں کا تعارف۔

باب سوم: فضائل اعمال ایک مطالعہ۔ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل: اسباب تالیف ومنہج تالیفِ فضائل اعمال۔ دوسری فصل: فضائل اعمال مختصر تعارف۔ تیسری فصل: فضائل اعمال میں وارد بعض ضعیف وموضوع احادیث۔ چوتھی فصل: چند ضعیف وموضوع احادیث جن کی استنادی حیثیت پر مصنف نے کوئی گفتگو نہیں کی نہ اردو میں اور نہ عربی میں۔

باب چہارم: لامع الدراری ایک مطالعہ۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل مقدمہ لامع الدراری

ایک مطالعہ۔ دوسری فصل لامع الدراری کا منہج۔ تیسری فصل موضوعات ومباحث لامع الدراری۔

باب پنجم: اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک: ایک مطالعہ۔ اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل: مقدمہ اوجز المسالک ایک موضوعاتی مطالعہ۔ دوسری فصل: اوجز المسالک کی علمی خصوصیات اور اس کے مصادر، تیسری فصل: اوجز المسالک کے مضامین ومباحث نمونوں کی روشنی میں۔

اس مقالے میں منہج بحث یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے باب کے تحت ہندوستانی محدثین، مشائخ کاندھلہ اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا خاکہ تحریر کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں جو کہ مولانا محمد زکریا کی خدمات حدیث کے چند پہلو سے متعلق ہے اس میں مولانا کے تدریس حدیث کی خصوصیات کے علاوہ ان کی چند نمایاں کتب حدیث کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ تاکہ ان کی علم حدیث میں تصنیف کردہ کتب ورسائل سے ایک تعارف اور اس کے مشمولات سے آگاہی ہو جائے۔ اس کے علاوہ ان کی غیر مطبوعہ کتب حدیث رجال حدیث کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ باب سوم جس میں فضائل اعمال کے تنقیدی وعلمی مطالعے کا حاصل پیش کیا گیا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ بعض وہ احادیث جو فضائل کے باب میں ذکر کردی کی گئی ہیں اور ان پر عصر حاضر کے ناقدین مثلاً علامہ محمد ناصر الدین البانی وغیرہم نے اگر ضعف یا وضع کا حکم لگایا ہے تو وہاں یہ بھی صراحت کردی گئی ہے کہ جمہور علما کے نزدیک ضعیف احادیث فضائل کے باب میں قابل قبول ہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ منہج محدثین کے مطابق اگر کسی حدیث کی کوئی خاص سند یا اس کا کوئی خاص متن موضوع ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ تمام طرق سے موضوع ہو ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ مسئلہ کے دونوں پہلو واضح ہو جائیں اور مقالہ کی معروضیت باقی رہے۔ باب چہارم جس میں لامع الدراری کے مطالعے کا حاصل پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پہلے مقدمہ لامع الدراری پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر لامع الدراری کی تالیف میں مصنف کے منہج کو واضح کیا گیا ہے اور اس کے موضوعات ومباحث کے نمونے ذکر کیے گئے ہیں نمونوں کے اختیار میں کوئی خاص منہج اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ صرف بحث کی عمدگی اور اپنی پسند کو معیار بنایا گیا ہے۔

پانچواں باب جو کہ اوجز المسالک کے علمی مطالعے سے متعلق ہے اس میں سب سے پہلے مقدمہ

اوجز المسالک کا موضوعاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اور اصل کتاب کے مطالعے کے بعد اور مصنف کے مقدمے کی روشنی میں جو خصوصیاتِ کتاب سامنے آئی ہیں ان کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کے مصادر ومراجع سے متعلق بھی مقدمے کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح اس باب میں بھی مضامین ومباحث کے نمونے بغیر کسی خاص معیار ومنہاج کے صرف اپنے انتخاب کو معیار بنا کر پیش کیے گئے ہیں باب کے حوالے ہر باب کے آخر میں شامل کیے گئے ہیں اور سب سے آخر میں کتابیات کے عنوان سے ان تمام کتابوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن سے میں نے جزوی وکلی استفادہ کیا ہے۔

ہمارے اس لمبے علمی سفر میں بہت سے لوگوں کا تعاون شامل رہا اگر ان حضرات کا تعاون نہ ہوتا تو شاید یہ علمی مقالہ وجود میں نہ آتا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تعاون ہمارے مشرف ونگراں ڈاکٹر احسان اللہ فہد صاحب کا رہا جنھوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور اس وقت جب کہ میں قلت مواد کی شکایت کر رہا تھا تو انھوں نے ہمارے جذبہ علم کو مہمیز لگائی اور محنت میں لگے رہنے کا حکم دیا۔ مواد کی فراہمی کے عرصے میں انھوں نے کوئی جلد بازی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ علمی وتحقیقی کام کرنے کی ترغیب دلاتے رہے اور جب مقالہ نگاری کا سلسلہ شروع ہوا تو آغاز سے انجام تک ان کے مشفقانہ مشوروں اور علمی تجربوں نے میری رہنمائی کی۔ انھوں نے بڑی محنت سے حرفاً حرفاً مقالے کا مطالعہ کیا اور مناسب تبدیلیاں کیں اس لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اپنے شعبے کے دیگر تمام اساتذہ کا خصوصیت کے ساتھ ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی پروفیسر سعود عالم قاسمی صاحب، چیرمین شعبۂ دینیات ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ہر ممکن مدد فرمائی اور ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور مولانا رفیق احمد سلفی (ریسرچ اسکالر شعبۂ سنی دینیات اے.ایم.یو علی گڑھ) صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مواد کی فراہمی میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اور اپنے احباب میں مولانا محمد ضیاء الرحمٰن علیمی ریسرچ اسکالر جواہر لال نہرو یونیورسٹی اور اپنے فیکلٹی کے تمام ریسرچ اسکالرس بطور خاص مولانا ظہیر عالم وافضال احمد صاحبان کی علمی معاونت کے لیے ممنون ہوں، مولانا احمد رضا علیمی وعبدالقادر، مولانا مختار احمد، اور چچا حافظ احمد علی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے محنت سے پروف پڑھا اور مقالے کو غلطیوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ ان کے علاوہ

اہل خانہ میں اپنے والد، والدہ اور بھائی کی شفقتوں اور دعاؤں کے لیے احسان مند ہوں۔خصوصیت کے ساتھ اپنی اہلیہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے حصے کا وقت بھی قربان کر کے اپنا تعاون پیش کیا۔ اپنے بچوں کا بھی شکر گزار ہوں جن کی محبتوں نے ہمیشہ کچھ کرنے کی لگن پیدا کی ان کے علاوہ تمام لوگوں کا اجمالی طور پر شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی طرح کا تعاون پیش کیا۔

ان حضرات کے علاوہ شعبۂ دینیات کی لائبریری، شعبۂ عربی کی لائبریری، مولانا آزاد اور المکتبۃ العلمیۃ، علی گڑھ لائبریری کے تمام ذمہ داران کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے علمی ذخیرے سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرا یہ علمی سفر میرے علمی افق کو کھولنے والا، میرے مطالعے کو وسعت دینے والا، میری علمی کمیوں کو دور کرنے والا اور علمی میدان میں مجھے چلنے کے قابل بنانے والا تھا۔ یہ علمی سفر جاں گسل مگر پُر لطف مراحل تھا اور میرے رہنمائے سفر تھے میرے مشرف اور نگراں ڈاکٹر احسان اللہ فہد صاحب اس لیے ایک بار پھر ان کا شکر گزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور احادیث وسنت پر ہمیشہ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین۔

ریاض احمد

ریسرچ اسکالر شعبۂ دینیات (سنی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

باب اوّل

مولانا محمد زکریا
حیات وخدمات

فصل اول

ہندوستانی محدثین اوران کی خدمات-ایک مختصر تعارف

ہندوستان میں اسلام کی آمد خشکی اورتری دونوں راستے سے ہوئی خشکی کا راستہ درۂ خیبر کا تھا، جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اورمغلوں نے چوتھی صدی کے آخراور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا،لیکن ان سے پہلے مسلمان تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے سندھ اور مالابار سے لے کر گجرات تک پھیل چکے تھے وہ اپنے ساتھ قرآن اورعلوم ومعارف کا خزینہ بھی لائے تھے انھوں نے یہاں پر اپنی بستیاں قائم کیں۔اپنے علم وعمل کے ذریعہ سے یہاں کے لوگوں کو متاثر کیا اور بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسجدیں تعمیر کیں اور یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درس گاہیں تھیں جن سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو ملک کے مختلف حصوں میں پہنچانے کا کام کیا گیا اور مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی انھیں مسجدوں کو استعمال کیا گیا۔

ہندوستان میں پہلے محدث:

۹۳ھ میں مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی سندھ پر مسلمانوں کی حکومت تیسری صدی ہجری کے اوائل تک رہی اس زمانے میں متعدد علماء وفضلاء عرب سے سندھ آتے رہے اور اسلامی تعلیمات سے لوگوں کے دلوں کو منور کرتے رہے۔۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی کے حکم سے جو فوج ہندوستان کی طرف روانہ ہوئی اس میں ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے (م۱۶۰ھ) جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔یہ بھی ان بزرگوں میں تھے جنھوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے میں سب سے پہلے حصہ لیا تھا بلکہ صاحب التہذیب التہذیب کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے احادیث مبارکہ کو جمع کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا۔[1]

دونومسلم سندھی محدث:

دوسری صدی ہجری کے محدثین میں ابومعشر نجیح سندھی (م۱۷۰ھ) کا نام نامی اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد علم حدیث میں درک حاصل کیا اور سندھ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اس لیے مدنی کہلانے لگے، یہ اپنے وقت میں فن مغازی وسیر کے امام تھے، بلکہ ان کا نام اس مختصر فہرست میں داخل ہے جو مغازی وسیر کے واقعات کوسب سے پہلے قید تحریر میں لائے۔ آپ نے ۱۷۰ھ میں وفات پائی اور آپ کی نماز جنازہ خلیفہ ہارون رشید (م۱۹۳ھ) نے پڑھائی۔[۲]

دوسرے بزرگ اور محدث رجاء السندی (م۳۲۱ھ) ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایران میں قیام کیا اور اسفرائینی کہلائے، آپ نے فن حدیث میں وہ کمال حاصل کیا کہ مشہور محدث حاکم (م۴۰۵ھ) ان کے حالات میں لکھتے ہیں: رکن من ارکان الحدیث یعنی آپ کا شمار کبارِ محدثین میں ہوتا ہے۔[۳]

درۂ خیبر کے راستے سے پہلا محدث:

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں مسلمان سلطان محمود غزنوی کے زیر قیادت ہندوستان میں داخل ہوئے۔[۴] سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۲ھ میں لاہور فتح کیا۔[۵] لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ایک مشہور صوفی شیخ محمد اسماعیل (م۴۴۸ھ) نے کیا۔ جو بخارا سے آئے تھے۔ شیخ اسماعیل ۳۹۵ھ میں ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ اس نسبت سے لاہوری کہلائے۔ آپ تفسیر وحدیث کے جامع البحرین اور موثر البیان تھے۔ اور آپ سے متاثر ہوکر متعدد لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ۴۴۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔[۶]

محدث صغانی:

شیخ محمد اسماعیل لاہوری کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو برس ہندوستان میں علم حدیث پر کوئی کام نہ ہوسکا، لیکن ساتویں صدی کے اوائل میں حسن بن محمد صغانی (۵۷۰-۶۵۰ھ) نے علم حدیث کے چراغ کو پھر سے روشن کیا۔ آپ کی پیدائش لاہور میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر یمن، حجاز اور

عراق میں جا کر تعلیم کی تکمیل کی۔ اور حدیث کے امام قرار پائے اور بغداد میں رہ کر مشارق الانوار کے نام سے حدیث کی کتاب تصنیف فرمائی جس نے ہندوستانی علماء کو حدیث کے حصول کی طرف متوجہ کیا۔ ساتویں صدی ہجری میں ان کے علاوہ اور بھی محدثین کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م۶۶۶ھ)، شیخ شہاب الدین سہروردی (م۶۳۲ھ)، قاضی منہاج السراج جرجانی (م۶۶۸ھ)، شیخ برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری (م۶۸۷ھ)، شیخ کمال الدین زاہد (م۶۸۴ھ) وغیرہم۔[۷]

شیخ رضی الدین بدایونی (م۷۰۰ھ)

شیخ رضی الدین بدایونی اپنے ہم عصر علماء دہلی میں علم حدیث پر کافی عبور رکھتے تھے وہ کول (موجودہ علی گڑھ) کے قاضی تھے آپ ہندوستان سے مکہ معظمہ اور بغداد تشریف لے گئے جہاں بادشاہِ وقت نے محدث ہونے کی بناء پر آپ کو شرف باریابی عطا کیا۔ پھر ہندوستان واپس آئے اور لاہور میں وفات پائی۔[۸]

شیخ نظام الدین اولیا (۶۳۴ھ تا ۷۲۵ھ)

محمد بن احمد بن علی جو نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶۳۴ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے دادا شیخ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں منگولوں کے حملے کے دوران بخارا سے ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔ شیخ نظام الدین نے علاء الدین اصولی بدایونی اور شمس الدین خوارزمی سے تحصیل علم کیا اور صرف بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ لیکن یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ شیخ نظام الدین نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں علم حدیث کی طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے علم حدیث کا مطالعہ اس وقت شروع کیا جب وہ ایک ممتاز ولی کی حیثیت سے بہت مشہور ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ولایت بخشی اور وہ جیسے جیسے روحانیت کی منزلیں طے کرتے گئے ان کو مطالعہ حدیث کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی گئی چنانچہ آپ نے مولانا شیخ کمال الدین زاہد سے علوم حدیث کی تحصیل کی اور مشارق الانوار کا درس لیا۔ آپ نے اس کتاب کا بہت غائر اور تنقیدی مطالعہ کیا اور ۶۷۹ھ میں اس کی تکمیل کے بعد شیخ کمال الدین سے سند حاصل کی۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں لوگوں کو مطالعہ حدیث سے گہری دلچسپی

پیدا کردی۔ جس کی بدولت ان کے مریدوں اور جانشینوں میں کافی بڑی تعداد ایسے علماء کی ہوگئی جنھوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کرلی تھی۔[9]

شیخ شرف الدین منیری بہاری (۶۶۱ تا ۷۸۲ھ)

شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری بہار کے مشہور ولی گزرے ہیں آپ شوال ۶۶۱ھ میں بہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر موضع منیر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے علم حدیث میں دسترس حاصل کی اور علاقۂ بہار میں ایک ممتاز محدث کی حیثیت سے مشہور ہوئے آپ حدیث سے متعلق تمام علوم مثلاً علم تاویل الحدیث، علم رجال الحدیث اور علم مصطلحات الحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات اور تصوف کی کتابوں میں احادیث کثرت سے نقل کی ہیں اور بہت سے مواقع پر آپ نے علم حدیث کے مختلف پہلوؤں روایت بالمعنی، شروط الراوی وغیرہ پر اپنی تصانیف میں طویل بحثیں کی ہیں اور صحیحین اور مسند ابویعلی الموصلی شرح المصابیح اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیئے ہیں اور آپ کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں صحیحین کی تعلیم شروع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ کو احادیث نہ زبانی یاد تھیں بلکہ آپ ان کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ آپ کے خانقاہ کی ابتدائی تعمیر آپ کے دوستوں اور مداحوں نے کی تھی جسے دوبارہ سلطان محمد تغلق نے وسعت دے کر تعمیر کروایا یہ خانقاہ آج بھی موجود ہے۔ شیخ شرف الدین نے ۷۸۲ھ میں خیبر میں وفات پائی۔[10]

سید علی بن شہاب ہمدانی (۷۱۴ھ تا ۷۸۶ھ۔ ۱۳۱۴ء تا ۱۳۸۵ء)

کشمیر میں علم حدیث کا آغاز خراسان کے ایک جہاں گشت درویش امیر کبیر سید علی ہمدانی نے کیا تھا وہ ۷۷۳ھ۔ ۱۳۷۱ء میں اپنے سات سو معتقدین کے ساتھ کشمیر آئے۔ اور انھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی، چنانچہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کے سر ہے۔ اس علاقے میں ان کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ سلطان قطب الدین فرمانروائے کشمیر (۷۷۰ تا ۷۹۵ھ) ان کا مرید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ آپ نے اپنی عمر کے آخری سال کشمیر میں گزارے (۶/ذی الحجہ ۷۸۶ھ جنوری

۶۸۵ء) کو ایران جاتے ہوئے راستہ میں وفات پائی اور ماوراء النہر میں مقام ختلان میں مدفون ہوئے۔[11]

آپ کی تصانیف میں (۱) **السبعین فی فضائل امیر المؤمنین** (۲) **اربعین امیریہ** کو شہرت حاصل ہے۔[12]

ہند میں علم حدیث کا احیاء

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں دکن میں بہمنی سلطنت اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام سے ان علاقوں میں علم حدیث کی ترویج وترقی کے ہزار سالہ دور کا آغاز ہوا۔ اور پھر یہاں سے علم حدیث ترقی کر کے شمالی ہند میں بھی پھیلنے لگا۔ ان ہم سایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال درحقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے، ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور شائستہ فرمارواؤں نے اپنے ملک میں علوم وفنون کو فروغ دینے کے لیے حیرت انگیز جوش وخروش کا مظاہرہ کیا اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے دور ونزدیک تمام ملکوں کے علماء کو اپنے دارالسلطنت آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمراں ہوئے ان میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ۔ ۱۳۹۷ تا ۱۴۲۴ء) اور مظفر شاہ ثانی فرماں روائے گجرات (۹۱۷ تا ۹۳۲ھ۔ ۱۵۱۱ تا ۱۵۲۵ء) جیسے اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے حکمراں چند ہی ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ بہمنی کئی زبانوں کا ماہر تھا اور وہ ہر سال گوا اور چول کی بندرگاہوں سے مختلف ملکوں کو بحری جہاز بھیجتا تھا۔ خاص اس مقصد کے لیے کہ مشہور اور ممتاز علماء کو دعوت دے کر اس کے دربار میں لایا جائے۔[13] مظفر شاہ ثانی نے علمی ترقی کے لیے بڑے جوش وانہماک کا ثبوت دیا اور ایران عرب اور ترکی سے عالم وادیب اس روشن حکمراں کے عہد میں گجرات آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔[14] نہ صرف سلاطین بلکہ متعدد وزیر بھی تعلیم کے ماہر اور علوم کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

ان میں گجرات کے محمود گاوان (۸۱۳تا۸۸۶ھ) اور آصف خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں محدث اور عالم تھے۔ سرکاری فرائض سے گراں بار ہونے کے باوجود انھوں نے علمی کاموں میں خلوص کے ساتھ حصہ لیا۔ اور اپنی آمدنی کا کثیر حصہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں غریب اور مفلوک الحال اہل علم

کی پرورش پر صرف کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بہمنیوں کے عہد میں دکن اور مظفر شاہی کے عہد میں گجرات سرپرستی کے خواہاں، عالموں، ادیبوں، شاعروں اور صاحب کمال لوگوں کا مرجع بن گیا تھا۔ چنانچہ حجاز اور مصر کے محدثین ان دونوں سلطنتوں میں جمع ہونے لگے۔ کثیر تعداد میں محدثین کی آمد کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان حکمرانوں نے حدیث اور سنت رسول سے گہری محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ اور دوسرا یہ کہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے اب تک جس طویل اور خطرناک بری راستے سے سفر کیا جاتا تھا اس کے بجائے حاجیوں کے لیے بحیرۂ عرب میں سفر کرنے کا ایک سہولت بخش راستہ کھول دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلطان کے حکم سے حج کے موسم میں جنوبی ہند اور گجرات کے بندرگاہوں سے جنھیں باب مکہ کہا جاتا تھا باقاعدہ طور پر جہاز چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ [۱۵]

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں جنوبی ہند کے مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی زندگی پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ تاہم اس نے کسی محدث کی ملاقات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اسے کئی شافعی فقہاء سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ [۱۶]

ابن بطوطہ کی سیاحت دکن کے تقریباً پچاس سال بعد یہاں کے بعض شہروں میں ایسے کئی محدث موجود تھے جن کے لیے سلطان محمود شاہ ثانی بہمنی اول (۱۳۷۸ تا ۱۳۹۷ء) نے املاک وقف کردی تھیں۔ [۱۷]

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ محدث کون تھے؟ ان محدثین کی موجودگی کا علم ہمیں تاریخ فرشتہ سے ہوتا ہے۔ مگر اس میں اور کوئی تفصیل نہیں ملتی تاہم یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ محدث غیر ملکی نہیں تھے کیوں کہ یہ محدث اگر غیر ملکی ہوتے تو ان میں سے کچھ لوگوں کے نام کم از کم آٹھویں اور نویں صدی کے ان علماء کے سوانحِ حیات میں محفوظ ہوتے جو بیرونی ملکوں سے آکر دکن میں سکونت پذیر ہوئے تھے، نیز ان محدثین کا تعلق شمالی ہند سے بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت تک شمالی ہند میں محدث کی اصطلاح کے صحیح مفہوم تک سے لوگ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ غالب امکان یہی ہے کہ یہ محدث جنوبی ہند کے ہی باشندہ تھے۔ اس مفروضہ کو اس واقعہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ابن بطوطہ کی سیاحت کے زمانے میں جنوبی ہند میں شافعی علماء موجود تھے جن کو بجا طور پر محدثین کہا جاسکتا ہے۔ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

ابن بطوطہ نے جن شافعی فقہاء کا ذکر کیا ہے۔ وہ وہی لوگ ہیں جنھیں آگے چل کر فرشتہ نے محدثین کا نام دیا ہے۔اور جو بہمنی سلاطین کی سرپرستی کی وجہ سے دکن میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔اس مفروضہ سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ بہمنی اور مظفر شاہی سلطنتوں کے قیام سے پہلے ہی شافعی علماء نے جنوبی ہند کو علم حدیث سے روشناس کرادیا تھا۔اورنویں صدی ہجری میں اس کی ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

ہندوستان میں علم حدیث کا فروغ

ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ کا حقیقی زمانہ نویں صدی ہجری کا خاتمہ اوردسویں صدی ہجری کا آغاز ہے۔ یہ وہ عہد تھا جب مصروشام وحجاز کے امام الحدیث حافظ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (م۹۰۲ھ) کے فضل وکمال کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور حافظ موصوف کے فیض وافادہ کی کرنیں دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں پڑرہی تھیں مدینہ منورہ میں آکران کے حصول علم حدیث کے شوق نے نورٌ علی نور کا مرتبہ حاصل کیا۔مدینہ منورہ سے آپ ہندوستان تشریف لائے اورصوبہ گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے علم سے سیراب ہوسکے۔

حافظ سخاوی کے تلامذہ میں سب سے پہلا نام مولانا راجح بن داؤد گجراتی (۹۵۴ھ) کا ملتا ہے۔ ۸۹۴ھ میں حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے اور الفیہ حدیث کی سند حاصل کی۔اس کے بعد وہ گجرات تشریف لائے۔لوگوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۹۵۴ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔[18]

اس کے بعد مولانا وجیہ الدین محمد المالکی (۸۵۶ تا ۹۱۹ھ) کا تذکرہ ملتا ہے۔آپ نے بھی شیخ سخاوی سے استفادہ کیا اورعلم حدیث میں درک حاصل کیا،ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان محموداول (۸۶۳ تا ۹۱۷ھ) نے ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا آپ نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کی۔اوراپنے علم وفضل سے یہیں کے لوگوں کو مستفید کیا۔۹۱۹ھ میں وفات پائی۔[19]

دہلی میں پہلا محدث:

حافظ سخاوی کے شاگردوں میں سید رفیع الدین صفوی شیرازی (م۹۵۴ھ) کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ یہ معقولات میں محقق جلال الدین دوّانی (م۹۲۸ھ) کے شاگرد تھے۔عرب پہنچے اور حدیث کا فیض

حافظ سخاوی سے حاصل کیا۔ اور شرف سعادت کا یہ سرمایہ لے کر وہ گجرات وارد ہوئے۔ یہ زمانہ دلی میں سلطان سکندر لودھی (۸۹۴تا ۹۲۳ھ) کا تھا، اس قدر دانِ علم کے شہرہ نے سید موصوف کو بھی گجرات سے دلی کھینچا، سلطان نے حسنِ عقیدت کے ساتھ محدث موصوف کا خیر مقدم کیا اور سلطان کی اجازت سے ممدوح نے آگرہ میں سکونت اختیار کی۔ اور درس وتدریس کا بازار گرم کیا۔ دور دراز سے لوگ آتے رہے اور اپنی اپنی قسمت کے مطابق سیراب ہوتے رہے۔[20]

ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور نغموں سے اس کے محراب و در گونج اٹھے۔ سید موصوف نے ۹۵۴ھ میں وفات پائی۔[21]

انھوں نے بقول مولانا عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۱۵ھ) (اخبار الاخیار) لائق اولاد نہیں پائی، تاہم بدایونی کے تصریح کے مطابق اپنی چند روحانی اولاد یادگار چھوڑی، جن میں قابل ذکر شیخ ابوالفتح تھانیسری (م۱۰۰۴ھ) ہیں۔ آپ سب سے پہلے ہندوستانی ہیں جو محدث کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ملاّ عبدالقادری بدایونی (م۱۰۰۴ھ) لکھتے ہیں:

''حدیث در ملازمت سید رفیع الدین محدث درست گردانیدہ''[22]

پہلا شارح بخاری:

سید ابوالفتح تھانیسری کے ایک دوسرے معاصر سید عبدالاول حسینی (م۹۶۸ھ) تھے۔ ان کا آبائی وطن زید پور تھا جو جونپور کے قریب ایک موضع ہے، ان کے اجداد ترک وطن کر کے دکن چلے گئے تھے۔ وہیں یہ پیدا ہوئے وہاں اپنے دادا علاء الدین حسینی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ جو حسین فتحی کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد آپ گجرات پہنچے اور پھر عرب گئے اور وہاں کے خزانہ سے علم حدیث کی زر و جواہر سینہ میں بھر کر لائے۔ یہ سب سے پہلے ہندوستانی عالم ہیں جنھوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھنے کی سعادت حاصل کی فیض الباری کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی اور فیروز آبادی مجد الدین (م۸۱۷ھ) کی سفر السعادۃ کا خلاصہ کیا۔[23]

بادشاہ اکبر کے ابتدائی عہد میں جب بیرم خانخانا امور سلطنت کا متکفل تھا اس نے علوم وفنون کے

دوسرے مشاہیر کے ساتھ حضرات محدثین کو بھی گجرات سے دلی اور آگرہ آنے کی دعوت دی اور اسی طرح میر سید عبدالاول جونپوری (م ۹۶۸ھ) کو باصرار تمام گجرات سے دلی بلوایا ۹۶۸ھ میں یہیں وفات پائی۔[۲۴]

طاہر پٹنی (۹۱۴ تا ۹۸۶ھ۔۱۵۰۸ تا ۱۵۷۸ء)

جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی، ہندی، حنفی مشہور ومعروف ملک المحدثین تھے وہ ۹۱۴ھ۔ ۱۵۰۸ء میں شمالی گجرات میں بمقام نہر والا پٹن میں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ کی طرف سے وہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ (م ۱۳ھ) کی اولاد میں تھے۔ انھوں نے گجرات میں شیخ ناگوری، استاذ زماں ملامہتہ اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ۹۴۴ھ میں وہ مکہ معظّمہ میں شیخ علی متقی (۸۸۵۔۹۵۷ھ) کے مدرسے میں شریک ہوئے، اور چھ سال تک وہاں حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے، اپنے محبوب استاذ علی متقی کے علاوہ جس کا ذکر طاہر پٹنی نے اپنی تصانیف کے مقدمہ میں بہت احترام سے کیا ہے ان میں ابن حجرالہیثمی (۹۰۹ تا ۹۷۴ھ) ابوالحسن البکری (م ۹۵۲ھ) اور مفتی قطب الدین نہروالی (۹۱۷۔۷۰ھ) زیادہ ممتاز ہیں۔[۲۵]

مجمع البحار بظاہر حدیث کا لغت ہے مگر علماء محدثین کے اعتراف کے مطابق وہ درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے، علاوہ ازیں تذکرۃ الموضوعات، وقانون الموضوعات، وغیرہ کتابیں ان کی تالیف ہیں۔ اور ۹۸۶ھ میں اجین کے قریب قصبہ سارنگ پور میں شہادت پائی۔[۲۶]

شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ تا ۱۰۳۴ھ۔۱۵۶۴ تا ۱۶۲۴ء)

شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلہ مجددیہ کے نامور بانی تھے، وہ شوال ۹۷۱ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے، شیخ احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر وہ سیالکوٹ، اور وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۱۳ھ) سے منقولات کا درس لیا، شیخ یعقوب نے ان کو صحیح بخاری، تبریزی کی مشکوۃ اور سیوطی کی الجامع الصغیر کا درس دینے کی اجازت دی، ۲۰/صفر ۱۰۳۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

شیخ احمد سرہندی کے مکتب حدیث سے متعلق محدثین

(۱) شیخ سعید بن شیخ احمد سرہند (۱۰۰۳تا۱۰۷۰ھ)

شیخ سعید بن شیخ احمد سرہند نے حدیث کی تعلیم اپنے والد اور عبدالرحمٰن رومی سے حاصل کی تھی، جب ان کے والد ضعیف ہوگئے تو ان کی خانقاہ میں شیخ سعید حدیث اور دوسرے علوم کا درس دینے لگے اور انھوں نے یہ سلسلہ ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء میں حرمین جانے تک جاری رکھا ۱۰۶۹ھ میں شیخ سعید سرہند واپس آئے اور ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کا حاشیہ لکھا تھا۔[۲۷]

(۲) فرخ شاہ بن شیخ سعید (۱۰۳۸تا۱۱۱۲ھ۔۱۶۲۹تا۱۷۰۳ء)

فرخ شاہ کئی علوم پر عبور رکھنے والے محدث تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ستر ہزار احادیث مع اسانید حفظ کرلی تھیں اور اس بنا پر وہ حافظ کے لقب سے مشہور ہوئے۔[۲۸]

(۳) شیخ سراج احمد مجددی (۱۱۷۶تا۱۲۳۰ھ:

شیخ سراج احمد بن مرشد بن ارشد بن فرخ شاہ ۱۱۷۶ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے اور سکھوں کے ظلم وستم سے عاجز آکر مع خاندان وطن چھوڑ کر رام پور چلے آئے۔[۲۹]

شیخ سراج احمد نے حدیث کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ جو کہ بڑے عالم اور محدث تھے۔ شیخ سراج احمد نے ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ آپ کی کئی تالیفات ہیں۔

(۱) ترجمہ فارسی صحیح مسلم (۲) شرح فارسی علی جامع الترمذی (۳) رسالہ در ذکر طعام وشراب۔

(۴) شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۸۰ھ۔۱۶۶۹ء)

شیخ معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے فرزند تھے۔ اور شہنشاہ اور رنگ زیب عالمگیرؒ (م ۱۱۱۹ھ) کے عہد میں ان کو روحانی پیشوا کا مرتبہ حاصل تھا، شیخ معصوم کو علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا اور حج کی ادائیگی کے سفر میں محدثین مکہ معظّمہ سے سند حاصل کی تھی۔[۳۰]

(۵) خواجہ سیف الدین سرہندی (م ۱۰۹۸ھ):

خواجہ سیف الدین شیخ معصوم کے فرزند تھے، انھوں نے اپنی زندگی علم حدیث کی خدمت میں وقف کردی تھی اور اپنی خدمات کی وجہ سے محی السنۃ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ شیخ معصوم نے اورنگ زیب عالمگیر کی روحانی تربیت کا فرض بھی خواجہ سیف الدین کے ذمے کردیا تھا انھوں نے ۱۰۹۸ھ۔۱۶۸۷ء میں وفات پائی۔[۳۱]

(۶) خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندی (۱۰۶۶تا۱۱۱۴ھ):

خواجہ اعظم ایک ممتاز محدث تھے اور ان کا زمانہ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۹ھ) کا عہد حکومت تھا انھوں نے اپنے والد سیف الدین اور چچا فرخ شاہ سے حدیث کا درس لیا تھا۔ خواجہ اعظم نے ۱۱۱۴ھ میں سرہند میں وفات پائی۔[۳۲]

(۷) شاہ ابوسعید بن صفی القدر مجددی (۱۱۹۶تا۱۲۵۰ھ):

شاہ ابوسعید خواجہ سیف الدین کے پرپوتے اور شاہ عبدالغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ) کے والد تھے وہ ذوالقعدہ ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا شیخ سراج احمد اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ) سے علم حدیث حاصل کیا اور مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) کے سلسلۂ طریقت میں اپنے مرشد غلام علی کے جانشین ہوئے شاہ ابوسعید نے ۱۲۵۰ھ میں حرمین سے واپسی کے بعد ٹونک میں وفات پائی۔[۳۳]

(۸) شاہ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی دہلوی (۱۲۳۵تا۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی علم حدیث میں دارالعلوم دیوبند کے مشہور بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے استاد تھے۔ انھوں نے صحاح ستہ کا درس اپنے والد شاہ ابوسعید سے لیا تھا جن کی اجازت سے وہ اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے۔ شاہ عبدالغنی نے صحیح بخاری کا کچھ حصہ شاہ اسحاق دہلوی سے بھی پڑھا تھا۔ ۱۲۴۹ھ میں شاہ عبدالغنی اپنے والد کے ہمراہ حرمین گئے۔ اور وہاں شیخ عابد سندھی ثم مدنی سے صحاح ستہ کا درس دینے کی اجازت حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کے شورش عظیم کے دوران ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں آخر وقت

تک طلباء کی کثیر تعداد کو حدیث کا درس دیتے رہے۔ اور ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔[۳۴]

شیخ عبدالحق دہلوی اور ان کا مکتب حدیث (۹۵۸ تا ۱۰۵۲)

شیخ عبدالحق دہلوی بن سیف الدین بن سعداللہ ترکی، بخاری، دہلوی، حنفی آغا محمد ترک (م۷۳۹ھ) کی اولاد میں تھے جو ترک وطن کر کے بخارا سے دہلی آگئے تھے اور علاء الدین خلجی (۶۹۵ تا ۷۱۵ھ) قطب الدین (۷۱۶ تا ۷۲۰ھ) اور تغلق شاہ (۷۲۰ تا ۷۲۵ھ) تین بادشاہوں کے عہد میں امرائے دربار میں شامل رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا اور دلپسند محققانہ تصنیفات کے ذریعہ علماء ظاہر و باطن دونوں کی محفلوں سے تحسین وآفریں کی داد وصول کی۔

شیخ عبدالحق ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد سے علوم کی تحصیل کی پھر مکہ معظّمہ جا کر شیخ عبدالوہاب متقی کے درس میں بیٹھے، اور ان سے صحاح ستہ کا درس حاصل کیا اور ان کے مرید بھی ہوئے، شیخ کو اپنے استاد اور پیر سے جو عقیدت تھی۔ اس کا اندازہ اخبار الاخیار کے صفحات سے ہوسکتا ہے۔ شیخ نے ہندوستان آکر دلی میں سکونت اختیار کی، اور تقریباً سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے مشکوٰۃ کی مشہور عربی شرح لمعات اور فارسی شرح اشعۃ اللمعات اور سیرت نبوی میں مدارج النبوۃ اہم ہیں۔ اور فیروآبادی کی فارسی کتاب سفر السعادۃ کی فارسی شرح ایسی لکھی جو حافظ ابن قیم کی زاد المعاد کے مقابل ہے۔ اور ۱۰۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔[۳۵]

(ا) شیخ نور الحق بن عبدالحق محدث دہلوی (۹۸۳ تا ۱۰۷۳ھ۔ ۱۵۷۵ تا ۱۶۶۲ء)

شیخ نور الحق کی شہرت محدث فقیہ اور مورخ کی حیثیت سے تھی، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالحق سے تحصیل علم کیا، اور بہت مشہور ہوئے۔ آپ نے زبدۃ التواریخ کے نام سے ہند کی ایک عام تاریخ لکھی تھی جس کا آغاز معزالدین بن سام معروف بہ سلطان محمد غوری (۵۷۰ تا ۶۰۲ھ) سے ہوا ہے اور شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی تک کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ نور الحق تمام عمر حدیث کی ترقی کے لیے کام کرتے رہے ان کے علم وفضل

کی قدر کرتے ہوئے شاہجہاں (۱۰۳۷ تا ۱۰۶۹ھ) نے ان کو اکبرآباد کا قاضی مقرر کیا تھا اور وہ اس عہدے پر کافی مدت تک قائم رہے۔ آپ نے ۱۰۷۳ھ۔۱۶۶۲ء میں نوے سال کی عمر میں دہلی میں وفات پائی۔[۳۶]

(۲) حافظ عبدالصمد فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ (م ۱۱۵۰ھ)

حافظ عبدالصمد شیخ نور الحق کے پر پوتے تھے۔ انھوں نے صحاح ستہ کا درس اپنے والد شیخ محب اللہ سے لیا تھا۔ عبدالصمد فخر الدین نے اپنے والد کی فارسی شرح صحیح مسلم کو مکمل کیا۔ جو وہ منبع العلم فی شرح صحیح مسلم کے عنوان سے لکھ رہے تھے اس کتاب کے دیباچے میں فخر الدین نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری ایام میں لکھنا شروع کیا تھا اور ان کو نظر ثانی کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ اس لیے اب انھوں نے اپنے والد کی تصنیف پر نظر ثانی کی ہے اور اس میں مناسب اضافے اور ترامیم بھی کیے ہیں۔ منبع العلم پر نظر ثانی کرتے ہوئے انھوں نے اپنے جد اعلیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصانیف سے بھی استفادہ کیا ہے۔[۳۷]

(۳) شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدین (م ۱۱۸۰ھ)

شیخ الاسلام اپنے والد حافظ فخر الدین کے نامور شاگرد تھے، اور آپ نے اپنے والد سے صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔ محمد شاہ کے عہد (۱۱۳۱ تا ۱۱۶۱ھ) میں جب نادر شاہ نے حملہ کیا تھا تو شیخ الاسلام شاہ جہاں آباد میں قیام پذیر تھے۔[۳۸]

(۴) سلام اللہ بن شیخ محدث رامپوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء)

شیخ سلام اللہ شیخ سراج احمد سرہندی (م ۱۲۲۰ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۵ھ) کے ہم عصر تھے اور خانوادۂ عبدالحق دہلوی کے آخری نامور عالم تھے۔ شیخ سلام اللہ دہلی چھوڑ کر رام پور چلے گئے تھے۔ جہاں وہ محدث رام پور سے مشہور ہوئے انھوں نے علم حدیث کی تعلیم اپنے والد شیخ الاسلام سے حاصل کی تھی اور اس علم کی اشاعت وترقی کا کام بہت قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے جو ان کے آبا واجداد کا ورثہ تھا۔ شیخ نے جمادی الثانی ۱۲۲۹ھ میں رام پور میں وفات پائی۔ ان کے کارناموں میں المحلی باسرار الموطاء قابل ذکر ہے جو کہ موطا امام مالک کی عربی شرح ہے۔[۳۹]

خانودۂ شیخ عبدالحق کے تلامذہ

(۱) خواجہ خواند معین الدین (م ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء)

شیخ معین الدین خواجہ خواند محمود نقش بندی کشمیری (م ۱۰۵۲) کے فرزند تھے۔ انھوں نے حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم شیخ عبدالحق دہلوی سے حاصل کی، ان کا زمانہ حیات گیارھویں صدی ہجری ہے آپ نے ۱۰۸۵ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔[۴۰]

(۲) خواجہ حیدر چلو بن فیروز کشمیری (م ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء)

خواجہ حیدر ابتدائی علمِ حدیث اپنے وطن کشمیر میں بابا جواہر ناتھ کشمیری (م ۱۰۲۶ھ) سے حاصل کی جو کہ ابن حجر الہیثمی کے شاگرد تھے۔[۴۱] اس کے بعد وہ دہلی میں شیخ عبدالحق کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں علم حدیث میں فارغ التحصیل ہوئے، کشمیر کے صوبہ دار نے ان کو قاضی بنانے کی بار بار پیش کش کی لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا اور درویشانہ زندگی کو ہر شی پر ترجیح دیتے رہے۔ آپ نے ۱۰۵۷ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔[۴۲]

(۳) بابا داؤد مشکاتی کشمیری (م ۱۰۵۷ھ/۱۶۸۵ء)

شیخ بابا داؤد نے علم حدیث خواجہ حیدر کشمیری (م ۱۰۵۷ھ) اور علم تصوف خواجہ خواند محمود (م ۱۰۵۲ھ) سے حاصل کیا۔ اور مشکاتی کے نام سے اس لیے مشہور ہوئے کہ انھوں نے مشکوٰۃ المصابیح پوری حفظ کر لی تھی۔ آپ کے کارناموں میں اسرار الاسرار یہ مشائخ کشمیر کی سوانح عمری ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ دار المصنّفین اعظم گڑھ میں محفوظ ہے۔ بابا داؤد نے ۱۰۹۷ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔[۴۳]

(۴) شیخ عنایت اللہ شال کشمیری (م ۱۱۸۵ھ/۱۷۱۳ء)

شیخ عنایت اللہ خواجہ حیدر کے فرزند کے شاگرد تھے۔ ان کے استاد کشمیر کے ایک مشہور معلم تھے انھوں نے شروع سے آخر تک صحیح بخاری کا درس ۳۶ مرتبہ دیا تھا، شیخ عنایت اللہ نے شعبان ۱۲۲۵ھ/۱۷۱۲ء میں ۶۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔[۴۴]

(۵) میر سید مبارک بلگرامی (۱۰۳۳ تا ۱۱۱۵ھ/۱۶۲۴ تا ۱۷۵۳ء)

میر مبارک حسینی واسطی، بلگرامی کا تعلق واسطی سیدوں کے ایک قدیم خاندان سے تھا جو ۶۱۴ھ سے بلگرام (یوپی) میں آباد تھا وہ شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۰۶۴ھ میں میر مبارک نے شیخ عبدالحق سے سند حاصل کی اور اس کے بعد تمام عمر بلگرام میں علم حدیث کی اشاعت اور تعلیم کے لیے پوری کوشش کرتے رہے۔ میر مبارک شعبان ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے تھے ۱۱۱۵ھ میں بلگرام میں وفات پائی۔ علم حدیث میں تبحر و قابلیت کی وجہ سے میر مبارک کو قطب المحدثین کہا جاتا تھا۔[۴۵]

(۶) میر عبدالجلیل بلگرامی (۱۰۷۱ تا ۱۱۳۸ھ/۱۶۶۵ تا ۱۷۲۵ء)

شیخ عبدالجلیل بن احمد حسینی، واسطی بلگرامی جو مشہور عالم غلام علی آزاد بلگرامی کے نانا تھے بہت مہذب اور قابل شخص تھے انھوں نے حدیث کی تعلیم میر مبارک، میر سعداللہ میر طفیل بلگرامی اور غلام نقش بند لکھنوی سے حاصل کی، میر عبدالجلیل محدث تھے انہیں اسماء الرجال پر عبور حاصل تھا اور انھوں نے بڑی تعداد میں حدیث مع اسناد زبانی یاد کر لی تھیں۔ آپ نے ۱۱۳۸ھ میں دہلی میں وفات پائی۔[۴۶]

(۷) میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ تا ۱۲۰۰ھ۔۱۷۰۴ تا ۱۷۸۵ء)

میر غلام علی آزاد بن نوح حسینی، واسطی، حنفی، بلگرامی ۲۵ رصفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام کے محلّہ میدان پورہ میں پیدا ہوئے تھے اپنے نانا عبدالجلیل سے علم حدیث میں سند حاصل کرنے کے بعد ۱۱۵۱ھ میں حجاز روانہ ہوگئے جہاں انھوں نے دو سال تک قیام کیا اور اس دوران میں انھوں نے مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) سے صحیح بخاری کا درس لیا اور مکہ معظّمہ میں عبدالوہاب طنطاوی (م ۱۱۵۷ھ) سے حدیث کی کچھ اور کتابیں پڑھیں شیخ حیات نے ان کو صحیح بخاری کی اجازت دی۔ ۸۴ برس کی عمر میں ۱۲۰۰ھ میں اورنگ آباد میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں چند اہم کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ضوّ الداری شرح صحیح بخاری۔ یہ کتاب الزکوٰۃ تک صحیح بخاری کی شرح ہے۔

(۲) شمامۃ العنبر فی ماورد فی الہند من السید البشر۔ اس رسالہ میں آزاد نے ایسی تمام احادیث جمع کر دی ہیں جن میں ہند کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[۴۷]

(۳) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان۔ اس کتاب کے مقدمے میں علم حدیث پر مفصل بحث کی گئی ہے اوران آیات قرآنی کا ذکر کیا گیا ہے جن سے ہند کا کچھ تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) سند السعادہ فی حسن خاتمۃ السادات۔ یہ رسالہ فضائل اہل بیت کے بارے میں ہے فارسی میں لکھا گیا ہے۔[۴۸]

گیارھویں اور بارھویں صدی کے محدثین

(۱) محمد صدیق بن شریف (م ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء)

شیخ محمد صدیق گیارھویں صدی ہجری کے ایک محدث تھے ان کا انتقال ۱۰۳۲ھ کے بعد ہوا اسی سال انھوں نے اپنی کتاب شرح الزواجیر مکمل کی تھی۔ محمد صدیق کے حالات زندگی کی تفصیل نہیں ملتی البتہ انھوں نے مشکوٰۃ المصابیح کی ایک شرح لکھی تھی جس کا نام نجوم المشکوٰۃ ہے اس کتاب میں دینی مسائل کسی قدر وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔[۴۹]

(۲) شیخ حسین الحسینی ہروی (۱۰۴۵ھ ۱۰۳۵ء)

شیخ حسین گیارھویں صدی ہجری کے اول نصف میں بقید حیات تھے، انھوں نے فارسی میں شمائل النبی کی شرحیں لکھیں جن میں سے ایک جس کا نام شرح الشمائل ہے، شہزادہ سلیم بن اکبر (ولادت ۹۷۶ھ وفات ۱۰۳۷ھ) کے لیے لکھی تھی۔ اور دوسری شرح جس کا نام نظم الشمائل ہے۔ شہزادہ مراد بن اکبر (ولادت ۹۷۸ھ وفات ۱۰۰۷ھ) کے لیے لکھی تھی۔ حکیم عبدالحیٔ حسنی ندوی نے یہ دونوں کتابیں خود پڑھی تھیں اوران کی بہت تعریف کی ہے۔[۵۰]

(۳) سید جعفر بدر عالم (۱۰۲۳تا۱۰۸۵ھ۔۱۶۱۴تا۱۶۷۵ء)

جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری جو بدر عالم کے لقب سے زیادہ معروف ہیں۔ اچھ کے مشہور ولی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ سید جعفر ۱۲ شعبان ۱۰۲۳ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد سے تحصیل علم کیا اور علم حدیث اور تفسیر میں خاص طور پر بڑی مہارت

وقابلیت پیدا کرلی۔ قلمی نسخوں کی نقلیں وہ خود لکھا کرتے تھے۔ سید جعفر نے ۹ ذوالحجہ میں وفات پائی اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ آپ کی تصانیف میں کچھ اہم کتابیں یہ ہیں۔

(۱) الفرید الطاوی فی شرح صحیح البخاری۔ یہ کتاب عربی میں صحیح بخاری کی شرح ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۲) روضۃ الشاۃ۔ یہ ضخیم تصنیف ۲۴ جلدوں پر مشتمل ہے ان میں سے پہلی جلد اولیاء کے ملفوظات سے متعلق ہے اور آخری چار جلدیں محدثین اور مفسرین قرآن کے بارے میں ہیں۔[۵۱]

(۴) ابوالمجد محبوب بن عالم بن جعفر بدر عالم (۱۰۴۷تا۱۱۱۱ھ۔۱۶۳۷تا۱۶۹۹ء)

ابوالمجد ۳۰ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے اپنے والد جعفر بدر عالم اور گجرات کے دوسرے ممتاز علماء سے تعلیم حاصل کی، انھوں نے حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی میں اور دوسری فارسی میں، فارسی تفسیر اس اعتبار سے بے نظیر ہے یہ ایسی احادیث پر مبنی ہے جو اہل بیت سے مروی ہیں۔ ابوالمجد نے جمادی الثانی ۱۱۱۱ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔[۵۲] آپ کی تصانیف میں زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ زیادہ ممتاز ہے۔ مصنف نے اس شرح میں اہم ترین مکاتبِ فقہ کے نظریات شامل کرلیے ہیں۔[۵۳]

(۵) شیخ یعقوب معروف بہ ابو یوسف لاہوری (م ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ء)

شیخ یعقوب معروف بہ ابو یوسف لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی ۔ یہ بہت قابل محدث اور فلسفی تھے۔ ابو یوسف دہلی کے مدرسہ جہانیہ میں استاد تھے۔ شاہجہاں کے عہد ۱۰۳۷ھ میں انھوں نے میر عدل کا عہدہ قبول کرلیا۔ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے علاوہ ابو یوسف اسلامی علوم کے مختلف مضامین کا درس بھی دیا کرتے تھے انھوں نے ۱۰۹۸ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف ہیں:

(۱) الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری

(۲) المعلم فی شرح صحیح المسلم

(۳) کتاب المصفی فی شرح الموطاء [۵۴]

(۶) مولانا نعیم بن محمد فیض صدیقی اودھی جونپوری (م ۱۱۲۰ھ)

مولانا نعیم کے دادا شیخ طریقت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اودھ آئے تھے۔نعیم کے والد نے بدرسرائے میں سکونت اختیار کرلی تھی اور اودھ کے مفتی بنادیئے گئے تھے نعیم مناظر رشیدیہ کے مشہور مصنف عبدالرشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) کے شاگرد تھے ایک سو برس سے زیادہ عمر پائی اور صفر ۱۱۲۰ھ میں جونپور میں انتقال ہوا۔آپ نے شرح مشکوٰۃ المصابیح تصنیف فرمائی۔[۵۵]

(۷) شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن حنفی، سندھی (م ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء)

شیخ محمد اکرم سندھ میں نصیر پور کے باشندہ تھے ان کا زمانۂ حیات بارھویں صدی ہجری کا اول نصف حصہ تھا انھوں نے ابن حجر کی نخبۃ الفکر کی ایک جامع شرح قلم بند کی جس کا نام امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے اس کا مخطوطہ عبدالحئ فرنگی محلی مرحوم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۵۶]

(۸) شیخ یحییٰ بن امین عباسی الہ آبادی (۱۰۸۰ تا ۱۱۴۴ھ)

شیخ یحییٰ اپنے چچا شیخ افضل بن عبدالرحمٰن الہ آبادی کے شاگرد تھے شیخ یحییٰ خوب اللہ الہ آبادی کے نام سے زیادہ مشہور تھے وہ قابل محدث اور مختلف علوم کے عالم تھے انھوں نے جمادی الاخری ۱۱۴۴ھ میں وفات پائی۔ان کی تصانیف میں (۱) امانۃ القاری فی شرح ثلاثیات بخاری، اہم ہے یہ کتاب بخاری کی ثلاثیات کی ایک جامع شرح ہے جو عربی میں لکھی گئی ہے۔[۵۷]

(۹) شاہ محمد فاخر الہ آبادی (۱۱۲۰ تا ۱۱۶۴ھ)

شاہ محمد فاخر شاہ یحییٰ الہ آبادی کے فرزند تھے وہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے اور زائر ان کا تخلص تھا، انھوں نے مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی سے پہلی بار ۱۱۵۰ھ میں اور اس کے بعد ۱۱۵۶ھ سے ۱۱۵۸ھ تک تعلیم حاصل کی۔شعبان ۱۱۶۴ھ میں محمد فاخر حجاز جانے کے قصد سے روانہ ہوئے لیکن راستے میں بیمار ہوگئے۔اور ۱۱ر ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ میں برہان پور میں وفات پائی،شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۲ھ) سے شاہ محمد فاخر کے گہرے مراسم تھے اور آزاد بلگرامی بھی ان کے ہم مکتب تھے آپ کی تصانیف میں (۱) قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین (۲) رسالہ نجاتیہ درعقائد حدیثیہ (۳) نظم عبارت سفر السعادۃ۔(۴) مثنوی

در تعریف علم حدیث۔ کا پتا چلتا ہے۔[58]

(۱۰) مولانا امین الدین بن محمود عمری، حنفی، جونپوری (۱۰۷۲ تا ۱۱۴۵ھ)

مولانا امین الدین جونپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ارشد بن عبدالرشید جون پوری سے تعلیم حاصل کی۔ وہ بہت قابل معلم تھے، نہ صرف علم حدیث بلکہ اقلیدس، حساب، اصطرلاب اور قانونِ وراثت جیسے مختلف علوم پر عبور رکھتے تھے، انھوں نے شیخ عبدالحق دہلوی کی تصنیف اشعۃ اللمعات کا ایک مخلص تیار کیا تھا۔ وہ ۱۱۳۵ھ تک بقید حیات تھے۔[59]

(۱۱) مولانا نورالدین بن صالح احمد آبادی (۱۰۶۳ تا ۱۱۵۵ھ)

مولانا نورالدین احمد آباد کے ایک مشہور معلم اور بکثرت لکھنے والے تھے۔ انھوں نے تقریباً ۱۵۰ کتابیں لکھیں جو زیادہ تر شروح وحواشی پر مشتمل ہیں۔ علم حدیث میں وہ شیخ محبوب عالم کے شاگرد ہیں اور ۱۱۴۳ھ میں جب حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو وہاں کے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا، احمد آباد میں ان کا مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مدرسہ ایک شاندار عمارت پر مشتمل تھا جس کو ان کے ایک شاگرد ونواب اکرم الدین صدر گجرات نے سوالاکھ روپے کی کثیر رقم صرف کر کے تعمیر کرایا تھا یہ مدرسہ بڑا تعلیمی مرکز بن گیا تھا مولانا نورالدین نے ۹ر شعبان ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی اور آپ کی تصنیف میں نور القاری شرح بخاری ہے۔[60]

(۱۲) مرزا محمد رستم بدخشی (۱۰۹۸ تا ۱۱۹۵ھ)

محمد بن رستم بن قباد حارثی بدخشی ۲۱ر جمادی الاول ۱۰۹۸ھ کو جلال آباد میں پیدا ہوئے مرزا محمد نے اپنے والد سے جو ایک بڑے عالم تھے تحصیل علم کیا، صرف پندرہ سال کی عمر میں انھوں نے رسالہ ''ردالبدعۃ وعقائد اہل السنۃ'' لکھا اور اسی رسالہ کی وجہ سے روح اللہ خاں نے ۱۱۱۵ھ میں اورنگ زیب عالمگیر سے متعارف کرایا، اورنگ زیب نے مرزا محمد کو شش صدی منصب عطا کیا۔ علم حدیث کی کتابوں کے علاوہ آپ نے دوگراں قدر تاریخی کتابیں بھی لکھیں۔ ایک کا نام تاریخ محمدی ہے اور دوسری عبرت نامہ۔ مرزا محمد نے ۱۱۹۰ھ کے بعد وفات پائی۔ آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) مفتاح النجا فی مناقب العبا۔ یہ کتاب فضائل اہل بیت سے متعلق ہے جو زیادہ تر احادیث پر مبنی ہے۔

(۲) تراجم الحفاظ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اس میں ممتاز حفاظ حدیث کے حالات زندگی قلم بند کیے گئے ہیں۔

(۳) نزول الابرار بما صح مناقب اہل البیت الاطہار۔ یہ احادیث کا مجموعہ ہے جن سے آل رسول کے اوصاف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ امیر الامرا حسین علی خاں الحسینی کے لیے لکھا گیا تھا۔[۶۱]

(۱۳) مرزا جان برکی (م ۱۱۰۰ھ)

شیخ اوحدالدین مرزا جان برکی جالندھری مشرقی پنجاب شہر جالندھر کے باشندہ تھے۔ آپ گیارھویں صدی ہجری کے محدث تھے آپ نے نظم الدری والمرجان کے نام سے سیرت نبوی پر ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں حالات، معجزات، خصوصی حقوق، اور امتیازی اوصاف احادیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں اور سید علیم جالندھری (م ۱۲۰۲ھ) نے نثر الجواہر کے نام سے اسی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔[۶۲]

(۱۴) محمد صادق لاہوری (۱۱۲۸ تا ۱۱۹۳ھ)

شیخ محمد صادق نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں یحییٰ بن صالح الملکی اور ابوالحسن سندھی سے علم حدیث حاصل کی شیخ ابوالحسن نے ۱۱۷۰ھ میں ان کو مدینہ منورہ میں اجازہ بھی عطا کیا شیخ محمد صادق ۱۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ آپ نے ازالۃ الفسادات فی شرح مناقب السادات کی تصنیف فرمائی یہ کتاب دولت آبادی کی مناقب السادات کی شرح ہے۔[۶۳]

شاہ ولی اللہ اور ان کا مکتب حدیث

شاہ قطب الدین ابوعبدالعزیز احمد بن عبدالرحیم عمری، حنفی دہلوی، جو شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور ومعروف ہیں آپ ایک نامور عظیم محدث تھے آپ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۱۷ شوال ۱۱۱۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے پانچ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا اور سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا اور پندرہ سال کی عمر میں مدارس کی اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہوگئے اور آپ نے مشکوٰۃ المصابیح،

شمائل النبی اور صحیح بخاری کے ایک حصہ کا درس شیخ افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) اور اپنے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) سے لیا جو فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے ۱۱۴۳ھ میں انھوں نے حرمین کا سفر کیا اور وہاں چودہ ماہ تک مقیم رہے۔ حرمین میں انھوں نے شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی شافعی مدنی (م ۱۱۴۵ھ) سے صحاح ستہ مشکوٰۃ المصابیح اور حصن حسین اور وفد اللہ المالکی، المکی سے موطا امام مالک کا درس لیا اور ان کے علاوہ اور دیگر محدثین سے بھی علوم حدیث حاصل کیا۔ ۱۱۴۶ھ میں دہلی واپس آئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ آپ نے بہت محنت اور لگن سے حدیث کی خدمات انجام دیں اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کی بہت ساری تصنیفات ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: یہ قاموسی نوعیت کی تصنیف ہے جس میں علم فقہ، دینیات، طبعیات، الٰہیات، تدبیر المنازل، سیاسۃ المدینہ اور اسرار الدین جیسے اہم علوم پر بحث کی گئی ہے۔

(۲) اربعین: یہ رسالہ چالیس احادیث کا انتخاب ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ان کے اخلاف کے توسط سے آنے والی نسلوں تک پہنچی ہیں۔

(۳) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین: یہ حدیث مسلسل کا مجموعہ ہے جو حفاظ کے گروہوں، حنفی، شافعی، اور حنبلی فقہاء، اہل بیت، ہسپانوی محدثین، مشرقی صوبوں کے محدثین، شاعر محدثین اور علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والی جماعتوں نے روایت کی ہے۔[۶۴]

(۴) الارشاد الی مہمات الاسناد: اس کتاب میں شاہ ولی اللہ کے شیوخ اور ان راویوں کا تذکرہ ہے جس کی سند سے احادیث آنحضرت ﷺ سے ان لوگوں تک پہنچی ہیں یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی تراجم البخاری کے ساتھ ۱۳۰۷ھ میں دہلی میں طبع کیا گیا تھا۔

شاہ ولی اللہ کے مکتب سے متعلق محدثین

(۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، نقشبندی (۱۱۴۵ تا ۱۲۲۵)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی شیخ جلال الدین کبیر اولیاء کی دسویں پشت میں تھے۔ انھوں نے حدیث کا درس شاہ ولی اللہ سے لیا اور علم تصوف مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۰۵ھ) سے حاصل کیا۔ علم حدیث میں ان

کی لیاقت اور تبحر کی بنا پر انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بیہقی وقت کا لقب دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری میں احادیث بکثرت درج کی گئی ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھیں علم حدیث پر کتنا عبور حاصل تھا۔[۶۵]

(۲) شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی (۱۱۵۹ تا ۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ امین اور عاشق قلتی سے حاصل کی۔ اس کے بعد وہ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ میں داخل ہوگئے۔ جہاں انھوں نے بہت تفصیل کے ساتھ مصابیح، مسوی فی شرح المؤطا صحیحین کا ایک حصہ اور باقی ماندہ صحاح ستہ کا درس لیا۔ ۱۱۷۴ھ میں جب شاہ عبدالعزیز کی عمر تقریباً ۲۰ سال کی تھی انھوں نے تعلیم مکمل کرلی اور اپنے والد شاہ ولی اللہ کے وفات کے بعد اسی مدرسے میں تدریس کا کام انجام دینے لگے اور علوم قرآن وحدیث کا درس ساٹھ برس تک دیتے رہے۔[۶۶]

(۳) شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دہلوی (۱۱۹۲ تا ۱۲۶۲ھ)

شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کے استاد ان کے مشہور شاگرد اور پوتے شاہ اسحاق ہوئے۔ جو بہت قابلیت کے ساتھ بیس برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۲۵۰ھ میں شاہ اسحاق ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے جہاں انھوں نے ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی۔ تراجم علماء حدیث ہند میں نوشہروی نے ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے ایسے ۱۴۱ محدثین کے نام درج کیے ہیں جو شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔[۶۷] ان میں مولانا مظہر نانوتوی اور احمد علی سہارنپوری، دارالعلوم سہارنپور میں حدیث کی تعلیم کا آغاز کرنے والے علماء تھے۔

(۴) مولانا مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ)

مولانا مظہر نانوتوی نے شاہ اسحٰق کے علاوہ علم حدیث کی تعلیم رشید الدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) اور مفتی صدرالدین دہلوی (م ۱۲۷۳ھ) سے بھی حاصل کی تھی۔ وہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اول مدرس اور محدث تھے۔[۶۸]

(۵) احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوری (م ۱۲۰۷ھ)

احمد علی دہلی میں شاہ اسحٰق سے سند حاصل کرنے کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ معظّمہ گئے

جہاں انھوں نے حرمین کے محدثین سے بھی درس حدیث لیا۔ حجاز سے واپس آنے کے بعد انھوں نے اپنی نگرانی میں اور اپنے مشہور شاگرد مولانا قاسم کے تعاون سے دہلی میں مطبع احمدی قائم کیا جس نے حدیث کی مستند کتابیں طبع کر کے اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے کئی سال تک قابل قدر خدمت انجام دی۔ اس کے علاوہ احمد علی نے جامع الترمذی پر حواشی بھی لکھے جو ۱۳۲۸ھ میں مجتبائی پریس دہلی نے شائع کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں شورش عظیم برپا ہونے پر مولانا احمد علی نے اپنا مطبع بند کر دیا۔ اور دہلی چھوڑ کر اپنے آبائی شہر سہارنپور چلے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ نو قائم شدہ مدرسہ مظاہر العلوم میں حدیث کے استاد ہو گئے۔ ۱۲۹۷ھ میں وفات پائی۔[۶۹]

(۷) قاسم علی بن اسد بن غلام شاہ نانوتوی (۱۲۴۶ھ تا ۱۲۹۷ھ)

مولانا قاسم علی نے درسیات یعنی عربی و فارسی نصاب کی تعلیم اپنے چچا مملوک علی سے حاصل کی جو دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم کردہ مدرسہ میں معلم تھے۔ اور حدیث کا درس شاہ عبدالغنی مجددی سے لیا۔ ۱۲۷۷ھ میں انھوں نے فریضۂ حج ادا کیا اور حاجی امداد اللہ (م ۱۳۱۷ھ) کے مرید ہو گئے جنھوں نے مکہ معظّمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۲۸۳ھ میں مولانا قاسم علی نے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ اور اپنے استاد شاہ عبدالغنی کے حسبِ ایما دیوبند میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا جو کچھ عرصہ بعد ہی دار السلام کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مولانا قاسم علی نے ۱۲۹۷ھ میں وفات پائی۔[۷۰]

(۸) میاں صاحب سید نذیر حسین بہاری دہلوی (۱۲۲۰ تا ۱۳۲۰ھ)

میاں صاحب بہار کے ضلع مونگیر میں بمقام بھوہ میں پیدا ہوئے۔ مشکوٰۃ المصابیح اور قرآن مجید کے چند پاروں کی تفسیر کی تعلیم شاہ محمد حسین سے صادق پور میں حاصل کی جو پٹنہ کے قریب ہے۔ ۱۲۴۳ھ میں دہلی آ گئے اور شاہ اسحٰق کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ جہاں انھوں نے علم حدیث میں اعلیٰ ترین امتحان کامیاب کر کے ۱۲۵۸ھ میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ شاہ عبدالعزیز کی طرح میاں صاحب بھی ساٹھ برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے محدث کی حیثیت سے ان کی شہرت پوری دنیا میں پھیل گئی اور دور دراز ممالک سے علم حدیث کے متلاشی آنے لگے

اورایک کثیر تعداد نے فیض حاصل کیا۔

شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددی جودارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم علی نانوتوی کے استاد تھے متحدہ مکتب حدیث کے ممتاز ترین شخص تھے چنانچہ دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی دونوں بزرگوں کے مکاتب حدیث کا ماحصل ہے۔اوراس میں ان دونوں اداروں کی روح کارفرما ہے۔

مظاہرالعلوم سہارنپوراپنے قیام اورترقی کے لیے مولانا مظہر نانوتوی کامرہون منت ہے جوشاہ اسحٰق دہلوی کے شاگرد تھے۔ جب سے یہ ادارے قائم ہوئے ہیں یہ اپنے قابل علماء کی سرپرستی میں منجملہ دیگر اسلامی علوم کے ہند میں علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کررہے ہیں۔

☆☆☆

فصل دوم

مشائخ کاندھلہ - ایک تعارف

کاندھلہ شروع ہی سے علما اور مشائخ کا مرکز رہا ہے جیسا کہ کاندھلہ کے آباد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے صاحب ''حالات مشائخ کاندھلہ صفحہ ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ کاندھلہ کی آبادی کی تقریب اس طرح ہوئی کہ ۲۲؍رجب ۷۹۳ھ میں سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق شکار کے لیے کاندھلہ کے قریب آئے اور اسی اثناء میں جمعہ کا دن آ گیا۔ سلطان موصوف نے کاندھلہ کی آبادی اور جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ فوری طور سے مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ جمعہ کے وقت سلطان نے آ کر خود بھی حصہ لیا اور موجودہ وقت کے ایک فاضل اور باکمال عالم قاضی شیخ محمد ابن مولانا کریم الدین کو ہزار بیگھا زمین دے کر، قضاء، امامت، خطابت، مناکحت کا منصب عطا کیا۔ اور قصبہ کی آبادی پر مامور کیا اور پھر ان کی اولاد نے بود و باش اختیار کر لی۔

(۱) مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب:

مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب علم و فضل میں نمایاں شان رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے صاحبزادہ مفتی الٰہی بخش کو جب بغرض تعلیم دہلی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں لے گئے تو حضرت شاہ صاحب نے بڑا احترام کیا اور فرمایا اگر صاحبزادہ کو خود ہی حوالہ کرنا تھا تو مجھے کاندھلہ طلب فرما لیا ہوتا آپ نے سفر کی تکلیف کیوں گوارا کی۔

مولانا کی کوئی تصنیف نہیں ملتی، مولانا شیخ الاسلام صاحب کا اصل نام محمد بخش تھا اور شیخ الاسلام کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے جو یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے۔

(۱) مفتی الٰہی بخش

(۲) شاہ کمال الدین

(۳) مولوی امام الدین

(۴) مولوی محمود بخش

چاروں بھائیوں کی اصل تعلیم وتربیت والد بزرگوار مولانا شیخ الاسلام صاحب اور مولانا محمد مدرس صاحب کے آغوش میں ہوئی، بعد میں دیگر علماء اور مشائخ وقت سے استفادہ کیا۔[۱]

(۲) مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب:

مفتی صاحب ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد مولانا شیخ الاسلام صاحب اور مولانا محمد مدرس صاحب کی آغوش شفقت میں ناز ونعم کے ساتھ پرورش پائی آپ نے بہت کم عمر میں قرآن شریف شروع کیا اور ختم بھی کرلیا اور چودہ سال کی عمر میں تمام ضروری متداول علوم کے حصول سے فراغت پائی لیکن مزید تعلیم کے لیے اپنے والد کے ہمراہ شاہ عبدالعزیز کے یہاں دہلی پہنچے جو اس وقت علومِ منقول ومعقول کے واحد مرکز سمجھے جاتے تھے آپ تین سال تک حصولِ علم میں مشغول رہے اور ۱۷ سال کی عمر میں فراغت حاصل ہوئی۔

مفتی صاحب جب تمام علوم کی تکمیل سے فارغ ہوگئے تو حضرت شاہ صاحب نے مزید پختگی کے خیال سے اپنی نگرانی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کرادیا اور مفتی صاحب نے تمام کتابوں کو حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں پڑھایا خود حضرت شاہ صاحب سبق کے وقت تشریف فرما ہوتے تھے اور بغور مفتی صاحب کی تقریر اور طرزِ تدریس کو ملاحظہ فرماتے تھے اور ساتھ ہی فتویٰ نویسی کی بھی مشق کراتے تھے۔ جب ہر طرح سے حضرت شاہ صاحب کو اطمینان ہوگیا اور مفتی صاحب پر پورا اعتماد ہوگیا تو آپ نے رخصت کیا تاکہ دوسری جگہ خود درس وتدریس اور افتاء کا کام انجام دیں۔[۲]

(۳) مولانا شاہ کمال الدین صاحب:

شاہ کمال الدین صاحب بڑے باکمال بزرگوں میں سے تھے حضرت مفتی الٰہی بخش کے حیات ہی

میں شاہ کمال الدین صاحب کا وصال ہوگیا شاہ کمال الدین سے کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے شرح عقائد جلالی کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ مولانا امام الدین نے اپنی تصنیفات میں جابجا اپنے بھائی شاہ کمال الدین صاحب کی تقریر وتحقیق کونقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کوعلوم معقول میں بھی پوری دسترس حاصل تھی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں یکتائے روزگار تھے۔ بیشتر مراقبہ اور استغراق میں رہتے تھے۔[۴۳]

(۴) مولانا امام الدین صاحب:

مولانا امام الدین صاحب بھی مفتی الٰہی بخش سے چھوٹے تھے اور والد اور بھائی کے سامنے ۱۲۰۰ھ میں عین شباب میں انتقال کر گئے مفتی صاحب نے اپنی تحریرات میں جابجا ان کی ذکاوت وذہانت اور علمی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا امام الدین صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے منطق وفلسفہ میں اعلی قابلیت اور مہارت تام رکھتے تھے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی کے حکم اور اصرار پر میر زاہد جلالی کی شرح لکھی کتاب کا مقدمہ سخت مشکل اور مغلق عربی الفاظ پر مشتمل ہے جس سے عربی ادب کی قابلیت اور مہارت بخوبی نمایاں ہوتی ہے رسالہ تعریف امور عامہ، اور مختصر کافیہ بھی تصنیف کیا۔[۴۴]

(۵) مولانا محمود بخش صاحب:

مولانا محمود بخش صاحب حسن اخلاق، حلم ومتانت، خداپرستی میں یکتائے زمانہ تھے۔ علوم منقول اور معقول میں پوری دسترس تھی خصوصا تفسیر وحدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے تمام عمر یاد الٰہی میں خلوت وتنہائی میں بسر کی جب کبھی خلوت وتنہائی سے فراغت ملتی تو ہوشیار اور ہونہار طلباء کو دینی امور کے درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے تھے بڑھاپے کی عمر میں ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۰۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کے ایک صاحبزادے مولانا مظفر حسین صاحب آپ کی یادگار ہیں۔[۴۵]

(۶) مولانا مظفر حسین صاحب:

مولانا مظفر حسین صاحب ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ فرمانے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا وصال ہوگیا اس لیے بقیہ تعلیم

ظاہری و باطنی دہلی میں شاہ محمد اسحاق صاحب سے پوری فرمائی جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نواسے اور شاگرد رشید تھے، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی گھر میں وعظ فرماتے تھے، انداز بیان سادہ ہوتا تھا، مگر قلوب میں اتر جاتا تھا اور تمام شکوک وشبہات سے دل کو صاف کر دیتا تھا، مجلس وعظ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رحمتِ خداوندی بارش کی طرح آسمان سے برس رہی ہے اور پژمردہ قلوب کو سرسبز و شاداب کر رہی ہے۔[۶]

(۷) مولانا ابوالحسن صاحب:

مولانا ابوالحسن صاحب نے ہر نوع کے کمالات ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگ وار حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے حاصل کیے تمام علوم منقول اور معقول میں یگانہ روزگار اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔ خصوصاً علم طب میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے عابد و زاہد عارف کامل تھے۔ بیش تر اوقات ذکر واذکار عبادت وطاعت میں بسر کرتے تھے، سال میں دو ماہ شروع شعبان سے آخر رمضان تک مسجد میں معتکف رہتے تھے انھوں نے حل الغوامص تصنیف کی ہے جو عربی زبان میں ہے اور علم فرائض اور اس کے متعلقات پر بہترین جامع کتاب ہے آخر میں ایک نقشہ کے ذریعہ تمام علم فرائض کو پیش نظر اور منظور نظر بنا دیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کو ۲۸؍رمضان المبارک ۱۲۲۰ھ کو لکھ کر مکمل کیا۔[۷]

(۸) مولانا محمد نورالحسن صاحب:

مولانا نورالحسن صاحب ۲۶؍ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ کو پیدا ہوئے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کی آغوش میں نشوونما پائی اور ابتدائی تحصیل علم اپنے والد بزرگوار سے اور اپنے جد امجد سے کیا پھر تکمیل تعلیم کے لیے ۱۲۴۷ھ میں دہلی کا سفر اختیار فرمایا۔ دہلی میں اس وقت صدر الدین صاحب رونق افروز تھے اور اپنے مستفیض کو فیض یاب اور کامیاب بنا رہے تھے۔ حضرت مولانا نور الحسن صاحب نے انہیں حضرات سے کمالات کا اکتساب کیا، اور جملہ علوم وفنون منقول ومعقول میں پورا کمال وجمال حاصل کیا۔ کہ خود اپنے اساتذہ کی نگاہوں میں بھی ہر علم وفن میں یگانۂ روزگار اور یکتائے

زمانہ شمار ہوتے تھے۔[۷۸]

(۹) مولانا محمد ضیاء الحسن صاحب:

مولانا محمد ضیاء الحسن صاحب یوم دوشنبہ ۲۴ / ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تمام علوم ومعارف اپنے والد بزرگوار مولانا نور الحسن سے حاصل کیے۔ تفسیر، حدیث، فقہ میں خاص مہارت رکھتے تھے اور بیش تر انہی علوم کا شغل رہتا تھا۔ زمانہ طالب علمی کے اواخر ربیع الاول ۱۲۶۸ھ میں بائیس سال کی عمر میں پوری شرح وقایہ نہایت خوش خط اپنے ہاتھ سے لکھی اور ضروری حل کیا۔ خصوصاً علم فرائض میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ علم فرائض میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جو مطبع علیمی دہلی میں سراجی کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کے ہمراہی میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے بھی مشرف ہوئے اور ۲۶ / ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔[۷۹]

(۱۰) مولوی محمد شمس الحسن صاحب:

مولوی محمد شمس الحسن صاحب ۱۴ / رجب ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۵ / دسمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ میں بی اے تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد تیس سال سرکاری ملازمت کی۔ بیش تر زمانہ متفرق مقامات پر تحصیل داری میں گزاری۔ کئی مرتبہ ڈپٹی کلکٹری کے لیے نامزد کیے گئے، لیکن اپنی دیانت داری، حق گوئی اور حق پسندی اور نازک مزاجی کی وجہ سے اس عہدہ پر برقرار نہ رہ سکے اور آخر میں تحصیل دار سے سبک دوش ہوئے اور پھر تیس ہی سال سرکار سے پنشن حاصل کی اور گھر پر زندگی بسر کی۔[۸۰]

(۱۱) مولوی محمد رؤف الحسن صاحب:

مولوی محمد رؤف الحسن بروز یک شنبہ ۱۱ / شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۷ / فروری ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی کتابیں شروع کیں، مگر تعلیم کی طرف رغبت بالکل نہ تھی بار بار گھر چھوڑ کر بھاگتے تھے، آخر میں مجبور ہوکر مولانا ضیاء الحسن صاحب کے ایک دوست نے ان کو اپنے پاس مظفر نگر بلالیا وہاں اپنے شوق سے مختاری کی۔ اردو کتابیں پڑھ کر مختاری کا امتحان دیا اور کامیاب ہوکر وہیں مختاری

شروع کردی اور بہت کامیابی حاصل کی بے حساب روپیہ کمایا اور جس قدر کمایا اس سے کہیں زیادہ خرچ کیا۔ نہ روپے کی پرواہ تھی اور نہ روپیہ جمع کرنے کا شوق۔ ریاست وقف کی ملازمت چھوڑنے کے بعد کاندھلہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ شعبان المعظم میں بیمار ہوئے جب مقامی کسی علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو بغرض علاج مظفرنگر لے گئے مگر وقت موعود آچکا تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور وہیں رمضان المبارک میں ۱۹۴۵ء کو قبل عصر اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔[۸۱]

(۱۲) مولوی حافظ نجم الحسن صاحب:

مولوی حافظ نجم الحسن صاحب نے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اور چند سال سرکاری ملازمت کر کے چھوڑ دی گھر پر سکونت اختیار کی اور ایک ظاہری شغل کے لیے باغ لگانا شروع کیا۔ مزاج میں ریاست وتمکنت بہت زیادہ تھی۔ مگر ایک دم طبیعت نے پلٹا کھایا اور مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت ہوگئے ساری دنیوی مصروفیات ختم ہوگئی تھیں وہ تھے اور گوشہ تنہائی اور یادِ الٰہی اور بس۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی اور اسی حال میں جمعہ کے دن ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۲ر فروری ۱۹۱۸ء کو اس رفیق اعلیٰ سے جا ملے جس کی یاد میں ساری یکسوئی اور بے قراری تھی۔[۸۲]

(۱۳) حکیم محمد قمر الحسن صاحب:

حکیم محمد قمر الحسن صاحب نے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم نظام الدین اور سہارنپور میں حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ میں بیمار ہوئے اور ڈاکٹر انصاری نے دق کی ابتداء تجویز کر کے فوراً بھوالی پہاڑ جانے کا مشورہ دیا اس لیے تعلیمی مشغلہ چھوٹ گیا۔ وہاں چند ماہ قیام کے بعد پوری صحت حاصل ہوگئی۔ واپسی کے بعد طب کی تعلیم شروع کی اور طبیہ کالج دہلی میں داخلہ ہوگیا۔ چار سال کالج میں تعلیم حاصل کی اور نہایت محنت وجانفشانی سے اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ پھر دہرہ دون میں مطب شروع کیا اس کے بعد دہلی میں قائم کیا لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے اس کو نہ چلا سکے۔ اور دہلی چھوڑ کر کاندھلہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اور بوقت چار بجے شب ۸ر شوال ۱۳۶۲ھ کو انتقال کر گئے۔[۸۳]

(۱۴) مولانا محمد ابراہیم صاحب:

مولانا محمد ابراہیم صاحب ۲۰؍جمادی الاول ۱۳۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تمام علوم متداولہ کی تعلیم و تکمیل والد بزرگوار حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب سے حاصل کی اور فن طب مشہور طبیب حکیم احسن اللہ خاں صاحب مرحوم ساکن دہلی سے حاصل کیا جو دربار شاہی کے خاص طبیب تھے۔ اور فن طب میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے اقران سے سبقت لے گئے اور خود یگانہ روزگار بن گئے۔ بالخصوص تشخیص مرض میں خاص مہارت حاصل تھی اور دور دور تک مشہور تھے۔[۸۴]

(۱۵) مولوی عزیز الحسن صاحب:

مولوی عزیز الحسن صاحب ۲۲؍ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ بی اے کے بعد ایل. ایل. بی. کا امتحان پاس کیا۔ عرصہ دراز تک مظفرنگر میں وکالت کے سلسلہ میں قیام کیا، پھر چند سال ریاست بھوپال میں وکالت کی۔ لیکن صداقت اور وکالت یکجا جمع نہ ہوسکیں آخر کار ۱۳۴۴ھ میں وکالت چھوڑ کر مستقل گھر پر سکونت اختیار کرلی اور دینی مشغلہ کے لیے جامع مسجد میں صبح نماز کے بعد قرآن مجید کا ترجمہ کا درس شروع کیا جو آخر تک جاری رہا۔ دینی معلومات خوب تھیں ذہن بھی ایسا ہی پایا تھا۔[۸۵]

(۱۶) مولانا محمد رضی الحسن صاحب:

مولانا محمد رضی الحسن صاحب یوم سہ شنبہ ۸؍جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۳؍اگست ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور علوم متداولہ کی تعلیم خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ پھر فلسفہ وحکمت کی تکمیل امام فن مولانا عبدالحق خیرآبادی سے حاصل کی آپ بظاہر تو یک سو رہتے تھے لیکن خاندان میں ہر ایک سے قلبی تعلق تھا۔ اخیر میں آپ کو ضعف معدہ کا مرض لاحق ہوا۔ مختلف علاج کرائے مگر کارگر نہ ہوا۔ یکم شوال ۱۳۵۰ھ مطابق ۹؍فروری ۱۹۳۱ء بروز سہ شنبہ عید کی نماز کے لیے عیدگاہ تشریف لے گئے اور عید کی نماز خود پڑھائی اور واپس آکر باہر چبوترہ پر چوکیوں پر بیٹھ گئے اور حکیم عبدالحمید صاحب سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک دم روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔[۸۶]

(۱۷) مولانا محمد اکبر صاحب:

مولانا محمد اکبر صاحب ۲۶ / ربیع الاول ۱۲۵۳ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور والد بزرگوار حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور علم منطق وفلسفہ میں فضل وکمال مولانا فضل حق خیر آبادی سے حاصل کیا عربی ادب اور منطق وفلسفہ میں خصوصی مہارت تھی اور ممتاز ویگانہ سمجھے جاتے تھے۔ سرسید احمد نے جب علی گڑھ کھولا تو قدیمی تعلق اور وابستگی کی بناء پر اپنی رفاقت پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ ابتدا سے اخیر تک علی گڑھ کالج کے عربی پروفیسر اور ناظم دینیات رہے۔ ۲۸ / جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۲ / دسمبر ۱۹۲۸ء کوظہر کے وقت وفات پائی۔[۸۷]

(۱۸) مولوی بدر الحسن صاحب:

مولوی بدر الحسن صاحب ۲۸ / جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۱ / جنوری ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور عربی کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی اور انگریزی کی تعلیم علی گڑھ کالج میں پائی۔ آپ علی گڑھ کالج کے پہلے طالب علموں میں سے تھے جن سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر اخیر تک کالج کے ساتھ وابستگی رہی اور ہمیشہ کالج کے ٹرسٹی رہے۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی اور منتہا پرست ججی کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے۔ علوم عربیہ کی استعداد بہت اعلیٰ تھی۔ خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت تھی۔ ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے۔ یہی آپ کا عدالت میں معمول تھا ملازمت سے سبکدوشی کے بعد علی گڑھ قیام رہا۔ اور وہیں پر ۴ / رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ مطابق ۲ / مئی ۱۹۲۲ء کو وفات پائی۔[۸۸]

(۱۹) مولوی محمد علاء الحسن صاحب:

مولوی محمد علاء الحسن صاحب ۳ / رجب ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۰ / ستمبر ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج میں پائی۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت کی اور ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ سے نہایت نیک نامی اور ہردلعزیزی کے ساتھ پنشن حاصل کی۔ نہایت منکسر المزاج، ملنسار، خوددار، غربا پرور، بے نفس، سادہ مزاج، نورانی شکل، دیندار،

متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ ملازمت کے بعد کا زمانہ علالت میں گزرا۔ مختلف مقامات پر علاج کراتے رہے مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کاندھلہ میں وفات پائی۔[۸۹]

(۲۰) مولوی محمد ظہیر الحسن صاحب شہید:

مولوی محمد ظہیر الحسن صاحب شہید نے قرآن مجید حفظ کرنے اور ابتدائی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی اے پاس کیا۔ پھر ایم اے عربی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ بزرگوں کا منشا تھا کہ کوئی اعلیٰ ملازمت کریں اور اس وقت کے اثر و رسوخ کے دور میں یہ کچھ دشوار مرحلہ بھی نہ تھا۔ مگر آپ کے ذوق علمی اور شان خودداری نے ملازمت کی پابندی کو گوارا نہ کیا اور ہمیشہ گھر پر مستقل سکونت رہی۔[۹۰]

(۲۱) مولانا محمد سلیمان صاحب:

یہ حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے یکم جمادی الاول ۱۲۵۷ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تمام علوم وفنون کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ علوم دینیہ میں خصوصی مہارت تھی اور یہی آپ کا علمی ذوق اور خصوصی مشغلہ تھا۔ اپنی حق پرستی اور دینداری اور تقوی و پرہیزگاری اور راست کیشی، دیانت داری، امانت داری، معاملہ فہمی میں ممتاز و یگانہ تھے۔[۹۱]

(۲۲) مولوی ابوالقاسم صاحب:

یہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے دوسرے چھوٹے صاحبزادے ہیں تمام علوم وفنون کی تکمیل والد بزرگوار سے حاصل کی۔ پھر اپنے تقاضے اور اصرار سے سرکاری ملازمت اختیار کی اور تھانہ داری میں بے شمار دولت حاصل کی بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے حتیٰ کہ گھوڑی تک طلائی زیورات سے آراستہ رہتی تھی۔ ۱۲۵۷ھ میں وفات پائی۔[۹۲]

(۲۳) مولانا محمد صابر صاحب:

مولانا محمد صابر صاحب حضرت مفتی الٰہی بخش کے نواسے بھی تھے اور شاگرد رشید بھی، علوم وفنون

میں دستگاہ رکھتے تھے۔ درویش صفت صوفی منشی عابد وزاہد متقی وپرہیزگار بزرگ تھے۔[۹۳]

(۲۴) حافظ محمد عبداللہ صاحب:

حافظ محمد عبداللہ صاحب علوم ضروریہ کی پوری معرفت رکھتے تھے اور قرآن مجید کے ساتھ خصوصی شغف تھا، ابتدا میں سرکاری ملازمت کی پھر گھر پر متوکلانہ اور عابدانہ زندگی بسر فرمائی۔[۹۴]

(۲۵) مولانا محمد مصطفیٰ صاحب شہید:

مولانا محمد مصطفیٰ صاحب شہید مفتی الٰہی بخش صاحب کے نواسے بھی تھے اور شاگرد رشید بھی اور آپ ہی کے پاس کاندھلہ میں سکونت اختیار کرلی تھی علوم معقول ومنقول میں اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور فن تجوید کے ماہر شمار ہوتے تھے۔۱۲۴۳ھ میں مولانا سید احمد صاحب شہید کے قافلہ کے ہمراہ معرکہ جہاد میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔[۹۵]

(۲۶) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب:

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب قصبہ جھنجھانہ میں پیدا ہوئے اور وہی آپ کا آبائی وطن تھا قرآن پاک حفظ کر کے علوم دینیہ عربی کی تکمیل فرمائی اور ۱۸۵۵ء میں بہادر شاہ بادشاہ کی سمدھی مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، نہایت عابد وزاہد متقی اور پرہیزگار مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ بیمار ہوکر دہلی منتقل ہوگئے اور کھجور والی مسجد واقع تراہا بہرام خاں میں بغرض علاج قیام فرمایا مگر وقت موعود آچکا تھا۔ ۴ رشوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲ رفروری کو انتقال فرمایا۔[۹۶]

(۲۷) مولانا محمد صاحب:

مولانا محمد صاحب ایک فرشتہ سیرت انسان تھے۔ حلم وتواضع، رحمت وشفقت اور خشیت وانابت کی مجسم تصویر تھے متوکلانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے آپ کی صورت سے تقوی کا سبق ملتا تھا۔ انوار کی چہرہ پر نہایت کثرت تھی انتقال سے پہلے ۱۶ رسال تک نماز تہجد فوت نہیں ہوئی آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی عشاء کی نماز کے بعد وتر کے سجدے میں انتقال ہوا۔[۹۷]

(۲۸) مولانا محمد یحییٰ صاحب:

مولانا محمد یحییٰ صاحب بروز پنجشنبہ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۱۹۲۱ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام 'بلند اختر' ہے آپ فطرتاً ذہین وذکی اور طبعاً نظیف اور لیطف المزاج پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ کی مہارت تامہ اس نوعمری میں مشہور ہونے کے ساتھ علمائے عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی۔ عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے، مولانا کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ بالاصالۃ کبھی تنخواہ نہیں لی اور کبھی درس پر کسی قسم کا معاوضہ گوارا نہیں فرمایا۔ سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغناء کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپے کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا مگر مصارف خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار روپے مقروض تھے اور کسی کو خبر نہ تھی کہ کس مد میں خرچ ہوا۔ حتی کہ ۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کی شب میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹوں میں شہید ہو کر راہی عالم قدس ہوئے۔

فصل سوم

ولادت تعلیم وتربیت

ہندوستان کے ان چیدہ اور برگزیدہ خاندانوں میں جو صدیوں تک علم وفضل اور ذہانت وذکاوت کے گہوارے رہے ہیں صدیقیوں کا ایک وہ خاندان بھی ہے جس کا اصل وطن جھنجھانہ ضلع مظفرنگر اور وطن ثانی کاندھلہ ضلع مظفرنگر ہے۔ یہ گھرانہ ان خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت وعنایت سے نوازا، اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق واخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے اس میں علما وفضلا واہل کمال اور مقبولین پیدا ہوتے رہے۔علو استعداد وعلو ہمت اس کی خاندانی خصوصیت ہے۔اور انھیں دو چیزوں نے اس خاندان کو ایسا شرف وامتیاز عطا کیا کہ ہر دور میں اس خاندان میں باکمال اور اکابر رجال پیدا ہوتے رہے۔علو استعداد اور علو ہمت نے اس خاندان کے افراد میں علمی جامعیت اور تبحر کی شان پیدا کی اور انھوں نے اپنے اپنے وقت میں مروجہ علوم اور اکثر اصناف کمال کی طرف توجہ کی اور ان میں دست گاہ پیدا کی اس کی وجہ سے اس میں بلند پایہ فقیہ ومفتی جامع معقول ومنقول عالم قادر الکلام شاعر اور حاذق طبیب پیدا ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے تلمذ نے اتباع سنت اصلاح عقائد واعمال کا ذوق، اور اشاعت علم کا جذبہ پیدا کیا، مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے یگانۂ روزگار ورع وتقویٰ اور ان کی بلند ہمتی وجفاکشی نے مردوں کے سوا عورتوں اور بچیوں میں بھی احتیاط وتورع اور ذکر وعبادت کا ذوق پیدا کر دیا۔

اسی خاندان کے ایک نمایاں فرد اور علو ہمت، مجاہد جامعیت اور اخلاق کی ایک جیتی مثال مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی ذات گرامی ہے۔[۹۹]

پیدائش:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ۱۳۱۵ھ میں رمضان کی گیارھویں شب میں گیارہ بجے رات کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی نوید ملی تو خاندانی مسجد میں خاندان کے شرفا و بزرگ اور اہل محلّہ تراویح سے فارغ ہو رہے تھے اس لیے بجائے اپنے اپنے گھر جانے کے پہلے اس مکان پر آئے جہاں اس مبارک بچے کی ولادت ہوئی تھی سب لوگوں نے بچہ کی ولادت پر مبارک باد پیش کی اور پھر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

بچہ کے دادا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نظام الدین دہلی میں تھے۔ پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو برجستہ زبان سے نکلا کہ ''ہمارا بدل آ گیا'' اور اسی سال شوال ہی میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ ساتویں روز آپ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلہ تشریف لائے گھر پہنچ کر بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا یحییٰ صاحب کے اچانک پہنچنے اور بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے سے عورتوں کو ایک گونہ حیرت اور یک گونہ مسرت ہوئی اور بعض نے یہ کہہ کر اپنی حیرت دور کی کہ آخر باپ ہیں اگر دیکھنے کو جی چاہا تو کیا بے جا ہے؟ مولانا حجام اپنے ساتھ لائے تھے بچہ آیا تو حجام کو اشارہ کیا اس کے بال تراش لیے، مولانا نے بال والدہ کے پاس بھجوا دیئے اور فرمایا بال میں نے بنوا دیئے۔ بکرے آپ ذبح کروا دیجیے اور بال کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دیجیے۔ بچہ کے دو نام رکھے گئے محمد موسیٰ محمد زکریا اسی دوسرے نام نے شہرت عام پائی آپ اسی سے مشہور و مقبول عوام و خواص ہوئے۔

اس وقت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا قیام مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں مستقل طور پر رہا کرتا تھا۔ ضرورتاً کاندھلہ اور دہلی آتے جاتے۔ شیخ الحدیث صاحب کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے۔ اور بارہ سال تک گنگوہ میں رہے اس دوران مولانا یحییٰ صاحب کے ساتھ حضرت گنگوہی صاحب کا جو سرپرستانہ، مربیانہ بلکہ پدرانہ تعلق تھا اس کی بنا پر اس خوش نصیب اور اقبال مند بچہ کو اپنی خصوصی شفقتوں اور محبت کی نگاہوں اور مقبول دعاؤں کا بڑا حصہ ملا۔[۱۰۰]

تعلیم کا آغاز:

قرآن مجید کا حفظ اس خاندان کا خصوصی شعار اور تعلیم کا پہلا مرحلہ تھا۔عموماً چار پانچ سال کے بچے کو مکتب میں بٹھادیا جاتا،لیکن سات برس تک حضرت شیخ کی بسم اللہ خوانی بھی نہیں ہوئی تھی۔

بالآخر وہ مبارک دن آیا کہ آپ کی بسم اللہ خوانی ہوئی مظفرنگر کے ایک نیک صالح بزرگ جناب الحاج ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب جن کا قیام اس زمانے میں مولانا گنگوہی کی خدمت کے لیے گنگوہ میں تھا ان کے یہاں آپ کو پڑھنے کے لیے بٹھادیا گیا۔شیخ فرماتے ہیں:

> ان کی اہلیہ محترمہ سے ہمارا قاعدہ بغدادی شروع ہوا۔یاد نہیں قاعدہ بغدادی کتنے دنوں میں پڑھا۔اس کے بعد ہمارا سی پارہ لگ گیا۔[۱۰۱]

حضرت شیخ کو کسی مکتب میں یا باقاعدہ کسی حافظ سے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔قرآن کریم حضرت والد صاحب ہی سے حفظ کیا شیخ فرماتے ہیں کہ نقل نظامی قرآن پاک جس پر میں نے پڑھا تھا اس کا ہر صفحہ آیت پر ختم ہوتا تھا والد صاحب ایک صفحہ کا سبق دیتے اور کہتے اس کو سو مرتبہ پڑھ لو اور چھٹی۔یاد ہونے کی ذمہ داری نہیں۔سارا قرآن اسی طرح پڑھ کر ختم کردیا اور حافظ ہوگئے۔[۱۰۲]

اردو اور فارسی:

شیخ فرماتے ہیں کہ ۱۳۲۵ھ سے میری فارسی اردو اس حالت میں شروع ہوگئی کہ قرآن پاک تو گویا پڑھا بے پڑھا برابر تھا مگر ہم حافظوں میں شمار ہوتے تھے۔میں نے فارسی زیادہ تر اپنے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی۔[۱۰۳]

رجب ۱۳۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارن پور آگیا اس لیے کہ دو تین ماہ قبل والد صاحب مستقل قیام کے ارادے سے گنگوہ سے سہارنپور منتقل ہوگئے تھے سہارنپور آکر باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی۔

باقاعدہ عربی تعلیم:

شیخ کی یہ باقاعدہ عربی تعلیم منطق کے علاوہ تمام تر والد صاحب کے یہاں ہوئی اور اس کے لیے ایک

با قاعدہ جماعت تشکیل دی گئی جس کے تین رکن تھے۔ شیخ نور اللہ صاحب، مولانا سہارنپوری کے ایک عزیز مظہر علی خاں راجپوری اور سید محفوظ علی۔ تین آدمیوں کی اس خصوصی جماعت کی خصوصیت یہ تھی کہ اسے مولانا یحییٰ صاحب نے مدرسہ کے نظام سے الگ اپنے مخصوص انداز میں تعلیم دی صرف پڑھانے میں ان کا خاص طریقہ یہ تھا کہ ان کے یہاں زبانی قواعد یاد کرائے جاتے تھے۔ اوران قواعد کا اجراء تختی پر یاردی کاغذوں پر کرایا جاتا تھا۔ وہ بغیر کتاب کے زبانی قواعد لکھواتے تھے۔ اس کے بعد چند حروف بتا کر مثال، اجوف، ناقص، مضاعف سے صیغے بنواتے اوران کی خوب مشق کرواتے۔[۱۰۴]

حدیث کی کتابوں کے علاوہ کسی کتاب کا پورا ہونا ان کے نزدیک ضروری نہیں تھا بلکہ کتاب کا نصاب یہ تھا کہ جب آٹھ سبق ایسے پڑھ لو کہ استاد جو چاہے پوچھ لے اور شاگرد کچھ نہ پوچھے وہ کتاب پوری پڑھ لی البتہ کتب احادیث کے ختم کا اہتمام کیا۔

شیخ فرماتے ہیں:

''الفیہ ابن مالک اس ناکارہ نے پورا پڑھا اوراس کا سبق حرفاً حرفاً حفظ سنا جاتا تھا الفیہ کے بعد ایک دفعہ کاندھلہ جاتے وقت سہارنپور کے اسٹیشن پر شرح جامی شروع ہوئی تھی کاندھلہ کے اسٹیشن تک بغیر ترجمہ کے پڑھتا چلا گیا ابا جان نے کہیں کہیں مطلب پوچھا میں نے بتادیا کاندھلہ جاکر ایک دن قیام رہا وہاں بھی ایک گھنٹہ سبق ہوا، تیسرے دن واپسی پر کاندھلہ کے اسٹیشن سے سبق شروع ہوا تھا سہارنپور کے اسٹیشن پر ختم ہوگیا تھا ان تین دنوں میں مرفوعات تو ساری ہوگئی تھیں منصوبات کا بھی بہت سا حصہ ہوگیا''۔[۱۰۵]

حدیث پاک کا آغاز:

مولانا محمد زکریا صاحب کے اہم حدیثی کارناموں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا وہ اپنے درس حدیث کے متعلق خود بیان کرتے ہیں کہ:

۷ رمحرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی۔[۱۰۶]

مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا انداز:

مشکوٰۃ شریف گویا صحاح ستہ کا متن ہے حضرت شیخ نے جس عجیب وغریب اور نرالے انداز میں مشکوٰۃ شریف پڑھی اس کا تصور طلبا کے لیے تو کجا مدرسین کے لیے بھی آج مشکل ہوگا۔

شیخ فرماتے ہیں:

''مشکوٰۃ شریف میں نے ترجمہ سے نہیں پڑھی ساری بلاترجمہ پڑھی اس میں یہ اجازت تھی کہ جس لفظ کا جب چاہے ترجمہ پوچھ لوں (اگر ان کے نزدیک بتانے کے لائق ہوتا تو بتاتے ورنہ ایک ڈانٹ پلاتے) اور وہ امتحاناً کبھی کبھی پوچھتے رہتے تھے۔ ترجمہ مظاہر حق کا دیکھنا تو جرم تھا۔ ہدایہ اور طحاوی کا دیکھنا ضروری تھا اور (مشکوٰۃ کے حواشی) صحاح کی کتابوں میں سے جس کتاب کی حدیث ہو اس کو نکال کر اس کے حواشی دیکھنے کی اجازت تھی۔ قانونِ تعلیم یہ تھا کہ حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف، اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب، یہ تمام گویا حدیث کا جزوِ لازم تھا۔''[۱۰۷]

دورہ حدیث:

شوال ۱۳۳۳ھ سے دورۂ حدیث کی ابتدا ہوئی۔ ابوداؤد شریف تو مولانا محمد یحییٰ صاحب کا خاص سبق تھا (جس کے بعد نسائی شریف ہونی تھی) اور ترمذی شریف (جس کے ختم پر بخاری شریف ہونی تھی) مولانا سہارنپوری کا سبق تھا۔ لیکن شوال ۱۳۳۳ھ میں مولانا سہارنپوری کو خدمت شیخ الہند کی معیت میں حجاز کا وہ مشہور ومعروف اور معرکۃ الاراء سفر پیش آیا جس میں حضرت شیخ الہند اسیر مالٹا ہوئے۔ حضرت سہارنپوری کے عدم موجودگی میں ان کا سبق ترمذی شریف (اور اس کے بعد بخاری شریف) بھی حضرت مولانا یحییٰ صاحب کے پاس آگئی۔ حضرت شیخ کا ارادہ تھا کہ اس سال صرف ابوداؤد شریف پڑھیں اور ترمذی اور بخاری کو حضرت سہارنپوری کی آمد پر موقوف رکھیں۔[۱۰۸]

لیکن چند روز کے بعد شیخ کے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب کے مشورے سے ترمذی بھی والد صاحب کے یہاں شروع کردی۔ شیخ فرماتے ہیں:

> ترمذی شریف کے بعد بخاری شریف اور ابوداؤدشریف کے بعد نسائی شریف والد صاحب کے یہاں ہوتی اور چوں کہ بخاری شریف پہلی دفعہ ہوئی تھی اس لیے والد صاحب نے نسائی شریف کا گھنٹہ بھی بخاری جلد ثانی کو دے دیا اور نسائی شریف جمعہ جمعہ پوری کرائی''۔[109]

دورہ ختم کرنے کے بعد مولانا نے اپنے والد صاحب سے ہدایہ ثالث شروع کردی اور یہ آخری کتاب تھی جو آپ نے اپنے والد صاحب سے پڑھی۔

مولانا کے تبحر علمی کے قائل ہو کر حضرت سہارنپوری نے یہ تو نہیں فرمایا کہ آپ کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (جیسا کہ حضرت شیخ کو توقع تھی) البتہ مولانا کی یہ محنت ایک اور سعادت کا ذریعہ بن گئی اور وہ تھی بذل المجہود کی تالیف میں آپ کی شرکت۔

اسی سال ۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں مولانا یحییٰ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی سفر حجاز سے واپسی ہوئی تو جو سبق مولانا یحییٰ صاحب کی وفات سے بند تھا مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے یہاں شروع ہوا۔ مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک سال پہلے تو یہ جذبہ تھا کہ ترمذی اور بخاری حضرت ہی سے پڑھنی ہے، لیکن والد صاحب کے انتقال کے بعد صدمہ سے اب اس کے برعکس یہ خیال شدت سے پیدا ہوا کہ ترمذی اور بخاری حضرت والد صاحب کے یہاں ہوچکی اب دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت نے تشریف لاتے ہی مولانا محمد زکریا اور ان کے رفیق حسن احمد مرحوم کو حکم دیا کہ ترمذی اور بخاری مجھ سے دوبارہ پڑھو، اگرچہ طبیعت بالکل نہیں چاہتی تھی لیکن تعمیل حکم کے سوا کیا چارہ تھا۔[110]

اگلے سال (شوال ۱۳۳۵ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک) مولانا سہارنپوری کے یہاں ابوداؤد شریف اور اس سے اگلے سال شوال ۱۳۳۶ھ سے شعبان ۱۳۳۷ھ تک صحیح مسلم اور نسائی ہوئی۔ ابن ماجہ کے چند

اسباق ۱۳۴۵ھ میں مولانا سہارنپوری سے پڑھے اور پھر مولانا کی طبیعت ناساز ہوگئی۔[۱۱۱] اس طرح مولانا کا دورہ گویا چار سال میں مکمل ہوا۔ اور ابتدائی عربی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک پانچ سال لگے اور کل تعلیم گویا ۹ سال میں مکمل ہوئی۔

مدرسہ مظاہر العلوم میں درس وتدریس کا آغاز:

مولانا زکریا صاحب فراغت علمی کے بعد محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس ہوئے۔ اور اصول الشاشی جو پہلے مولانا محمد الیاس صاحب پڑھا رہے تھے اور علم الصیغہ جس کا درس مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب کے یہاں ہو رہا تھا ان دونوں کے اسباق مولانا محمد زکریا صاحب کے پاس منتقل ہو گئے۔

اصول الشاشی اور علم الصیغہ دونوں مولانا کی پڑھی ہوئی نہیں تھی اور یوں بھی یہ دونوں کتابیں ایک نوعمر اور ابتدائی مدرس کے لیے معیار سے اونچی تھیں لیکن ان سب کے باوجود مولانا نے اپنی ذہانت وفطانت اور محنت ومطالعہ سے بہت جلد طلبا کو ایسا گرویدہ کیا کہ انھوں نے کتاب کا پڑھا ہوا حصہ بھی مولانا سے دوبارہ پڑھانے کی درخواست کی۔ اور ان باتوں سے ان حضرات کو اطمینان ہوا جو آپ کی نوعمری کی وجہ سے آپ کے لیے ان اسباق کے تجویز پر متأمل تھے۔[۱۱۲]

اس پہلے سال میں حضرت شیخ کے یہاں مندرجہ ذیل کتابیں ہوئیں:

علم الصیغه، مائة عامل منظوم، شرح مأته عامل، خلاصه نحومیر، نفحة الیمن، منیة المصلی، اصول الشاشی قال اقول.

دوسرے سال (از شوال ۱۳۳۵ھ تا شعبان ۱۳۳۶ھ) مقامات، سبعه معلقه، قطبی میر، کنز، قدوری اور اصول الشاشی ہوئیں۔

شوال ۱۳۳۷ھ میں مولانا زکریا صاحب کے پاس ہدایہ اولین، حماسہ کے اسباق ہوئے۔ چوں کہ بذل المجہود کی تالیف کے لیے دوپہر سے پہلے کا سارا وقت فارغ کرلیا گیا تھا، اس لیے حماسہ کا سبق عشاء کے بعد ہوتا تھا۔[۱۱۳]

مولانا فرماتے ہیں:

’’بذل کی وجہ سے بعض سبق خارج میں ہوا کرتے تھے۔ ایک سبق مولانا کی اشراق کی نماز تک اور ایک سبق عصر کی نماز کے بعد بھی اکثر پڑھانے کی نوبت آئی‘‘۔

اس سال ہدایہ اولین کے سبق کی تجویز میں زبردست یورش اور معرکہ ہوا۔

مگر بہرحال ہدایہ کا سبق حضرت شیخ کے یہاں ہی ہوا اور انھوں نے ایسی محنت اور لیاقت سے پڑھایا کہ ساری شورش خود بخود ختم ہوگئی۔

آپ اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

’’میں نے دو تین دن تک مسلسل فقہ کی لغوی، اصطلاحی تعریفیں، ان کا درجہ، مصنف کے احوال اور جو جو سمجھ میں آیا، سب کچھ کہا اور تین دن کے بعد بسم اللہ سے لے کر کتاب الطہارۃ تک ایک صفحہ پانچ دن میں پڑھایا۔ اس کے بعد بعض طلباء تو ڈھیلے پڑ گئے۔ لیکن بعض شرّی طلباء نے پھر بھی درخواست کا ارادہ کیا۔ مگر اکثریت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ درخواست کا حشر معلوم ہے، گھنٹہ کے نیچے ہوگا۔ (یہ اس زمانے کی ایک خاص اصطلاح تھی) اور اس کا حشر معلوم ہے کہ اخراج اگر نہ ہوا تو کھانا تو کم از کم بند ہی ہو جائے گا اس پر وہ درخواست ٹل گئی‘‘۔[۱۱۴]

آج کے اس پُرفتن ماحول میں ہر کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ترقی کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو دوسرے لوگ جلن اور حسد کرنے لگتے ہیں یہی معاملہ مولانا محمد زکریا صاحب کے ساتھ بھی ہوا کہ ان کی ترقی لوگوں سے دیکھی نہ گئی اور ناکام کرنے کے لیے بہت ساری کوششیں کرلیں۔ لیکن اس کے باوجود حسد کرنے والے ناکام رہے وہ خود فرماتے ہیں:

اللہ کے فضل سے ان دو کے علاوہ کوئی واقعہ اس ۵۴ سالہ زمانۂ مدرسی میں طلباء کی طرف سے اعراض یا ناگواری کا پیش نہیں آیا بلکہ طلب اور اس سیاہ کار کی طرف اسباق کے منتقل ہونے کی مساعی کے پیش آتے رہے۔[۱۱۵]

اور اسی طرح مولانا محمد زکریا صاحب ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے مظاہر العلوم میں زندگی گزارتے رہے لیکن مظاہر العلوم میں ان کی مدرسی کا وہ سنہ سب سے زیادہ قابل قدر ہے جس میں وہ باضابطہ تدریس اور خدمت سے متعلق ہوئے اور پھر عالم اسلام میں محدث کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

مدرسہ مظاہر العلوم اور درس حدیث

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا کی قابلیت اور لیاقت کا چرچا ہونے لگا اور آپ نے درس نظامیہ کی بہت ساری کتابوں کو بھی پڑھایا لیکن اب حدیث شریف پڑھانے کا وقت آ گیا۔ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۱ھ تک مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں مشکوٰۃ شریف سے نیچے کی کتابیں ہوتی رہیں۔ ان میں بہت سی کتابیں مکرر پڑھانے کی نوبت آئی رجب ۱۳۴۱ھ میں مولانا کو بخاری شریف کے تین پارے، تیرہ سے پندرہ تک دیئے گئے یہ مولانا کے تدریس حدیث کا آغاز تھا۔ جو حسن اتفاق بخاری شریف سے ہوا۔ اور اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس زمانے میں ترمذی و بخاری کے دو گھنٹے تھے اور دونوں کتابیں یکے بعد دیگرے ہوا کرتی تھیں۔ اس سال ترمذی اور بخاری کا سبق حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کے پاس تھا اور طویل تقریر کی وجہ سے جمادی الاخریٰ کے ختم تک بخاری شریف کی پہلی جلد بھی پوری نہیں ہو پائی تھی۔

حضرت خلیل احمد سہارنپوری صاحب اس پر خفا ہوئے اور مہتمم صاحب کو حکم فرمایا کہ بخاری کے پارے دوسرے مدرسین پر تقسیم کر دیئے جائیں اور مولانا محمد زکریا صاحب کا نام خاص طور پر لے کر فرمایا کہ کچھ پارے ان کو بھی دے دینا۔ یہ فرما کر حضرت سہارنپوری صاحب بلند شہر وغیرہ کے سفر پر تشریف لے گئے۔

مولانا اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

> مجھ پر اس قدر بوجھ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے مشکوٰۃ بھی اس وقت نہیں پڑھائی تھی۔ میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ بہت نامناسب ہوگا۔ آپ مجھے ہرگز نہ دیں۔ حضرت مولانا ثابت علی صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہی کو دیں مہتمم صاحب نے بھی موافقت کی، ان دونوں حضرات کو پانچ پانچ پارے دے دیئے

گئے اور سات آٹھ پارے مولانا عبداللطیف صاحب کے پاس بدستور رہے۔

تیسرے دن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سفر سے واپس آئے میں ڈاک لکھ رہا تھا، مہتمم صاحب سے دریافت کیا، پارے بانٹ دیئے؟ مہتمم صاحب نے عرض کیا، حضرت تقسیم کردیئے۔ اس نے لینے سے انکار کردیا۔ حضرت اس سیاہ کار پر خوب ناراض ہوئے اور فرمایا۔ بہت اچھا، انکار کردیا تو ہماری پاپوش سے، یہ چاہتے ہیں کہ ہماری خوشامد ہو، حضرت کی عادت تھی کہ غصے میں چہرہ سرخ ہوجاتا تھا، تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر نعلین اٹھا کر اپنے مکان تشریف لے جانے لگے۔ میں نے جلدی سے حضرت کے ہاتھ سے نعلین لے لیے اور پیچھے پیچھے دروازے تک گیا۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر میری طرف متوجہ ہو کر نہایت غصے سے فرمایا کچھ کہتا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ حضرت تو ناراض ہی ہوگئے۔ فرمایا، ناراض نہ ہوں، جب میرا کہنا نہ مانا۔ میں نے کہا، توبہ، توبہ، مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے دوسرے مدرسے والے کیا کہیں گے کہ نوعمر لڑکے کو، جس نے مشکوٰۃ شریف بھی نہیں پڑھائی، بخاری شریف دے دی حضرت نے فرمایا نوعمر لڑکے کو میں جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں، اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا، تمہیں تو نہیں دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تعمیل ارشاد میں کیا انکار ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہنا مان لوگے تو میں بھی راضی ہوجاؤں گا۔ اسی وقت از تیرہ تا پندرہ پارے کا اعلان اس سیہ کار کے نام ہوا اس بخاری شریف میں قاری سعید مرحوم بھی تھے۔ جو بعد میں مفتی اعظم مظاہر العلوم ہوگئے تھے، ممکن تھا کہ اس بخاری پر کوئی معلقہ یا ہدایہ کی طرح خرخشہ اٹھتا، لیکن طلباء میں میرے انکار اور حضرت قدس سرہ کی ناراضگی کا شہرہ قاری سعید احمد مرحوم کے ذریعے اعلان سے پہلے ہی ہوگیا تھا، اس لیے اگر کوئی کہنا بھی چاہتا تو اس واقعے کے بعد کس کی ہمت پڑ سکے تھی،"[۱۱۶]

اس کے بعد تین سال (شوال ۱۳۴۱ھ سے شعبان ۱۳۴۲ھ تک) مسلسل آپ کے پاس مشکوٰۃ

شریف ہوتی رہی۔ سوال ۱۳۴۴ھ میں آپ کو اپنے شیخ ومرشد حضرت خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی معیت میں سفر حجاز پیش آیا جس میں بذل المجہود کی تکمیل اور اوجز المسالک کی ڈیڑھ جلد کی تسوید ہوئی۔ اس دوران آپ نے مدرسہ علوم شرعیہ میں مغربی طلباء کو ابوداؤد شریف اور الحاج عبدالمجید صاحب کو مقامات عربی زبان میں پڑھائی۔

۱۸؍صفر ۱۳۴۶ھ کو حجاز کے طویل سفر سے واپسی ہوئی۔ اسی دن ابوداؤد شریف صفحہ ۸۰ سے حضرت ناظم صاحب (مولانا عبداللطیف صاحب) کے پاس سے منتقل ہوکر آپ کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ نسائی شریف شروع ہوئی۔ اس کے بعد موطأ امام محمد اور بخاری شریف کے چار پارے (پارہ نمبر ۱۲ سے) ہوئے۔ آئندہ ۱۳۷۵ھ تک ابوداؤد شریف تو آپ کا مستقل سبق رہا۔ بخاری شریف ۱۳۴۶ھ تک ناظم صاحب کے پاس ہورہی تھی چوں کہ ان کی انتظامی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں اور ادھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مولانا محمد زکریا صاحب کو مدرسہ کا شیخ الحدیث، تجویز کردیا تھا اس لیے حضرات سرپرستان کی تجویز تھی کہ بخاری شریف مستقل طور پر حضرت شیخ صاحب کے پاس اور ترمذی شریف صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کے پاس ہوا کرے۔ مگر ناظم صاحب کے تاثر وقلق کے خیال سے حضرت شیخ نے باجازت سرپرستان مدرسہ یہ طے کردیا کہ حضرت ناظم صاحب بخاری شریف کا افتتاح کرادیا کریں اور بقرعید کے بعد وہ آپ کے پاس منتقل ہوجایا کرے اور جلد ثانی حضرت ناظم صاحب مغرب کے بعد پڑھادیا کریں۔

۱۳۷۳ھ میں ناظم صاحب کا رنگوں کا سفر ہوا اس سال ابوداؤد شریف کے ساتھ بخاری شریف کی دونوں جلدیں مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں ہوئیں۔ اور ۱۳۷۴ھ میں حضرت ناظم صاحب کی مسلسل علالت کی وجہ سے بخاری شریف اور ابوداؤد شریف دونوں مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں منتقل ہوکر آگئیں۔[۱۱۷]

مولانا عبداللطیف صاحب کے وفات کے بعد (۲؍ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ ۲؍اگست ۱۹۵۴ء) ابوداؤد شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے یہاں منتقل ہوگئی اور بخاری شریف کی دونوں جلدیں مولانا محمد

زکریا صاحب کے یہاں رہیں۔ یہ سلسلہ شوال ۱۳۷۴ھ سے شعبان ۱۳۸۸ھ تک جاری رہا اس کے بعد آپ نے نزول الماء (موتیابند) کی وجہ سے تدریس بند کردی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخؒ کی تدریسی خدمات ۵۴ سالوں پر محیط ہے اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۱ھ تک ابتدائی اور متوسط کتابیں زیر درس رہیں۔

(۲) ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۵ھ تک دیگر علوم وفنون کے ساتھ حدیث کی کتابیں بھی ہوتی رہیں۔

(۳) اور ۱۳۴۶ھ کے اوائل سے ۱۳۸۸ھ تک اواخر تک صرف حدیث پاک کا درس دیا۔

مولانا محمد زکریا صاحب کے نواسہ مولانا شاہد صاحب لکھتے ہیں:

''اس چون سالہ مدت میں حضرت والا نے ۳۵ کتابوں کا درس دیا جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف اور ابوداؤد شریف جیسی بلند پایہ کتابیں شامل ہیں۔ان میں بعض کتابیں بلکہ سبھی مکرر سہ کرر پڑھائیں۔ چنانچہ نورالانوار تین مرتبہ، مشکوٰۃ شریف تین مرتبہ، ابوداؤد شریف تقریباً تیس مرتبہ اور بخاری شریف جلد اول پچیس مرتبہ اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھانے کی سعادت ملی''۔[۱۱۸]

شیخ فرماتے ہیں:

''ہدایہ اولین تین دفعہ پڑھانے کی نوبت آئی اور قطبی میر تو لاتعد و لاتحصی شوال ۱۳۳۶ھ سے شعبان ۱۳۴۴ھ تک شاید ہی کوئی سال ایسا ہو جس میں قطبی تصدیقات اور میر قطبی میرے یہاں نہ ہوئی ہو۔ میں نے تین سال نورالانوار پڑھائی اور ہر سال نورالانوار کے بعد اس کی جگہ حسامی ہوا کرتی تھی۔ شرح جامی بحث فعل کے بعد بحث اسم بھی اکثر تین ربع کے قریب ہوجاتی تھی۔

نیز فرماتے ہیں:

''صفر ۱۳۴۶ھ کے بعد چوں کہ مولانا محمد زکریا کے اوقات زیادہ فارغ تھے، اس لیے

دورہ کے مدرسین میں سے علالت یا طویل سفر کی وجہ سے جس کا سبق منتقل ہوتا، ترمذی، مسلم شریف وغیرہ مولانا محمد زکریا کے پاس منتقل ہوا کرتا تھا۔شمائل ترمذی تو کئی سال مسلسل رہی۔[119]

مولانا محمد زکریا صاحب کے تدریسی امتیازی خصوصیات:

مولانا محمد زکریا صاحب کے درس گاہ کا ایک خصوصی امتیاز وقت کی پابندی تھی۔ شادی ہو یا غمی، سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا آندھی کوئی چیز ان کے وقت پر آنے سے مانع نہیں ہوئی تھی۔کبھی مہینوں میں بھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ مولانا ٹھیک اور مقررہ وقت پر درس گاہ میں نہ پہنچتے ہوں یا چند منٹ کی تاخیر ہوگئی ہو۔انھیں وقت اور اپنی ذمہ داری کا ہمیشہ پورا پورا خیال رہتا تھا ان کے پابند وقت ہونے کا مولانا تقی الدین ندوی کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

''ایک بار موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔تمام سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ ناکارہ راقم سطور مدرسہ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہوتو درس گاہ میں حاضر ہو۔مولانا اسعداللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہرالعلوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے۔اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے باہر جا کر معلوم کرلو۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے باہر دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروشوں سے معلوم کیا۔ بارش کا زور برابر قائم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے ہیں جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے۔سڑک پر پانی بہہ رہا تھا۔ یہ کم ہمت بھی بہ عجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا۔ وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔مگر درس شروع ہو چکا تھا ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا۔[120]

مقدار سبق کا خیال:

مدرسہ مظاہر علوم میں منہاج تعلیم کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ہر کتاب کی ماہانہ خواندگی مقرر کردی گئی تھی جس کی پابندی اساتذہ کو لازم تھی اور اس کی نگرانی صدر مدرس کے ذمہ تھی۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سال میں ایک دو مرتبہ ان نقشوں کو ملاحظہ فرماتے تھے حضرت مولانا کو اس کا بھی شدید التزام رہا کہ ماہانہ مقدار خواندگی میں کمی نہ رہے۔

مولانا محمد زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس سیاہ کار نے محض مالک کے فضل سے اوقات اسباق کی وہ پابندی کی، جس پر سرپرستان مدرسہ نے بھی تحریراً استعجاب لکھا ہے۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ذمہ ان کی سرپرستی کے زمانے میں مدرسین کے اسباق اور خواندگی کے نقشوں کی نگرانی تھی۔ ماہانہ دستخط نگرانی کے تو صدر مدرس کے ہوتے تھے۔ لیکن سال کے درمیان میں اور سال کے ختم پر ایک دو مرتبہ وہ بھی نقشوں کو ملاحظہ فرماتے تھے اور ہر مرتبہ اس سیاہ کار کے نقشہ اور نصاب کی ماہانہ پابندی پر پسندیدگی اور مبارک باد لکھ کر جایا کرتے تھے۔ اگر وہ نقشے اب بھی مدرسہ کے دفتر میں ہوں گے تو ان پر تحریر ضرور ملے گی۔[۱۲۱]

چنانچہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے تعلیمی نقشہ پر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تحریر فرمایا تھا:

''ماشاء اللہ، جزاہ اللہ احسن الجزا، نصاب مجوزہ کی پوری تکمیل بایں ضروریات ذاتیہ و خارجیہ و مشاغل تصنیف و مہمان داری و عوارض امراض و حوادث حضرت ممدوح میں دیکھی۔ طرہ براں کہ محض لوجہ اللہ اور بلا تنخواہ۔ کاش میرے مخدوم و محترم دیگر حضرات مدرسین اس کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر صرف ضبط اوقات و تکمیل نصاب ہی میں اتباع فرمالیں''۔[۱۲۲]

حاصل یہ کہ مولانا محمد زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور میں ایک مثالی مدرس کی حیثیت سے زندگی گزارتے رہے۔ اسی کثرت مطالعہ نے تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا کردیا اور پھر مختلف علوم بالخصوص حدیث اور علم حدیث میں آپ کی اہم تصانیف منصۂ شہود پر آئیں۔

فصل چھارم

تالیفی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز

مولانا محمد زکریا صاحب کے تالیفی کام کی ابتدا زمانہ طالب علمی سے ہی ہو چکی تھی۔ پہلی کتاب جو آپ کے کوششوں سے منظر عام پر آئی وہ ''الفیہ بن مالک (علم نحو) کی شرح تھی اور یہ مولانا کے طالب علمی کا دوسرا سال تھا جب کہ آپ کی عمر ۱۳؍۱۴ سال کے درمیان تھی۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''درس کے دوسرے سال جب میں نے الفیہ شروع کیا تو ساتھ ساتھ اس کی اردو شرح بھی شروع کی۔ جو کل تین جلدوں میں پوری ہوئی، پہلا جز بہت مفصل شرح کے طور پر، اس کے بعد مختصر ہوتی چلی گئی اور ۱۸ رشعبان ۱۳۲۹ھ میں پوری ہوئی۔

اسی طرح شرح سلم العلوم، اضافہ بر اشکال اقلیدس، تقریر مشکوٰۃ، اور تقاریر کتب حدیث بھی زمانہ طالب علمی میں لکھی گئیں۔

طالب علمی سے فراغت کے بعد جب آپ ۱۳۳۵ھ میں مظاہر العلوم میں مدرس ہوئے تو اسی سال دو کتابیں تالیف فرمائیں، ایک مظاہر علوم کے حالات میں، جو بعد میں ''تاریخ مظاہر'' کے نام سے منظر عام پر آئی اور دوسری اپنے مشائخ سلسلہ کے حالات پر جو ''تاریخ مشائخ چشت'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۱۲۳]

بذل المجہود کی تالیف:

تالیف کے سلسلہ میں مولانا محمد زکریا صاحب کے ترقی اور بلندی کا جو پیش خیمہ بنی وہ ہے ''بذل المجہود'' کی تالیف میں آپ کی شرکت۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ایک عرصہ سے ابوداؤد شریف کی شرح لکھنے کے بارے میں سوچ رہے تھے مگر مشاغل و مصروفیات نے اس کام کا موقع نہ آنے دیا۔ ۱۳۳۵ھ میں جب کہ مولانا محمد زکریا صاحب دورہ حدیث سے فارغ ہو کر مظاہر علوم میں مدرس ہوئے۔

مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے آپ کو اور آپ کے رفیق مولانا حسن احمد مرحوم کو اپنے درس ترمذی میں شرکت کا حکم فرمایا۔ درس کو شروع ہوئے ابھی دو مہینے گزرے تھے کہ مولانا نے ان دونوں حضرات کی علمی استعداد کا اندازہ کرلیا اور ان کی معاونت سے ابوداؤد شریف کی شرح لکھنے کا داعیہ از سرنو تازہ ہوا۔

مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں:

''میرا اور حسن احمد مرحوم کا یہ معمول تھا کہ سبق کے بعد ہم دونوں حضرت کے پیچھے پیچھے دارالطلبا سے مدرسہ قدیم تک آتے۔ حضرت قدس سرہٗ دو ماہ کے بعد حسب معمول دارالطلبا سے تشریف لارہے تھے اور ہم دونوں پیچھے تھے مدرسہ قدیم کے قریب ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوکر یوں ارشاد فرمایا کہ ساری عمر یہ تمنا رہی کہ ابوداؤد شریف پر کچھ لکھوں اور کئی دفعہ شروع بھی کیا مگر پورا نہ ہوسکا۔ حضرت گنگوہی صاحب کی حیات میں ہمیشہ یہ تقاضا رہا کہ لکھوں اور جو اشکال ہوگا وہ حضرت سے پوچھتا رہوں گا۔ حضرت کے بعد طبیعت سرد ہوگئی لیکن پھر خیال ہوا ہمارے مولانا یحییٰ صاحب تو باحیات ہیں جہاں اشکال ہوگا ان سے الجھتے رہیں گے مگر ان کے انتقال پر تو خیال بالکل نکل گیا تھا۔ اب یہ خیال ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو شاید لکھ سکوں''۔

حضرت کا ارشاد صحیح تھا اس لیے کہ میں نے خود حضرت کے مسودات میں ایک مسودہ دیکھا تھا جس پر حل المعقود فی ابی داؤد مرۃ ثالثہ کا لفظ لکھا ہوا تھا۔[۱۲۴]

بذل المجہود کی تالیف کا طریقہ:

بذل کی تالیف کا طریقہ یہ تھا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب کتابوں سے متعلقہ مضامین تلاش کرنے کے لیے مولانا محمد زکریا صاحب کی رہنمائی فرمادیتے۔ مولانا مضامین کو تلاش کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کردیتے اور حضرت ان پر غور فرما کر مناسب ترتیب سے مولانا کو املا کرادیتے۔ گویا کتابوں کی مراجعت، مضامین کی تلاش سے لے کر کتاب کی تسوید وتحریر تک مولانا محمد زکریا صاحب کے ذمہ تھی۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری بذل المجہود کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

واعانتی علیہ بعض احبابی خصوصا منھم عزیزی وقرۃ عینی وقلبی الحاج الحافظ المولوی محمد زکریا بن مولانا الحافظ المولوی محمد یحیی الکاندھلوی رحمۃ اللہ تعالی فانی کنت لااقدر علی الکتابۃ ولاعلی التتبع لرعشۃ حدثت فی یدی وضعف فی دماغی وبصری فکنت املی علیہ وھویکتب ویتتبع المباحث المشکلۃ من مقامھا فسھل علی املا ئھافشکراللہ سعیہ واحسن جزائہ ومابذل فیہ من جھدہ واکرم اللہ تعالی بعلومہ الباطنۃ والظاھرۃ النافعۃ فی الدنیا والآخرۃ وبالاعمال المبرورۃ المتقبلۃ الزاھرۃ

اور اس تالیف میں میرے بعض احباب نے میری اعانت کی خصوصا میرے عزیز اور میری آنکھ اور دل کی ٹھنڈک الحاج حافظ مولوی محمد زکریا بن مولانا حافظ مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی نے چنانچہ میں ہاتھ پر رعشہ کی تکلیف کی وجہ سے خود لکھنے پر اور ضعف دماغ اور ضعف بصر کی بناء پر مضامین کی تتبع تلاش پر قادر نہیں تھا اس لیے میں املا کراتا تھا اور عزیز موصوف لکھتے رہے مشکل مباحث کو ان کے مقامات سے تلاش کرتے رہے جس کی وجہ سے مجھے انکا املا کرانا آسان ہوا۔ پس اللہ تعالی ان کی اس سعی کو قبول فرمائیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو محنت ومشقت برداشت کی ہے اللہ تعالی اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں اور اللہ تعالی دنیا وآخرت میں علوم باطنہ اور علوم ظاہرہ ونافعہ کے ساتھ نیز اعمال حسنہ مقبولہ کے ساتھ ان کو سرفراز فرمائیں۔[۱۲۵]

مولانا محمد زکریا صاحب کو بذل کے تالیفی کام میں کتنا انہماک تھا اس کا اندازہ ان کی اپنی تحریر سے ہوتا ہے مولانا لکھتے ہیں:

''اس ناکارہ کا وہ زمانہ درحقیقت طلب علم کا تھا۔ بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی

کھانی یاد نہیں رہی۔ مہمانوں کا ہجوم اس زمانے میں میرے پاس نہیں ہوتا تھا۔ البتہ طلبا ساتھ کھانے والے ہوتے تھے۔ ان سے کہہ دیتا تھا کہ تم کھالو میرا انتظار نہ کرو۔ عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا اس وقت یاد آتا کہ دوپہر کی روٹی نہیں کھائی اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے چھوٹ گیا تھا تیں، پینتیس گھنٹے روٹی کھائے ہوئے گذر جاتے تھے۔[۱۲۶]

بذل المجهود کی تکمیل:

بذل المجہود کی تالیف کا آغاز ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں ہوا تھا لیکن ۱۳۴۴ھ تک اس کی تکمیل نہیں ہوسکی تھی۔ اب تک تقریباً ساڑھے تین جلدیں لکھی گئی تھیں اسی سال مولانا سہارنپوری نے حج کا ارادہ فرمایا اور مناسک حج سے فراغت کے بعد حضرت سہارنپوری مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور مولانا محمد زکریا صاحب کی رفاقت میں بذل المجہود کی تکمیل ہوئی۔

مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے قیام میں نو سال اور کچھ مہینوں میں بذل المجہود کی ساڑھے تین جلدیں لکھیں گئیں اور مدینہ پاک میں ۸ ماہ میں ڈیڑھ جلدیں پوری ہوگئی ہوگئیں اور ۲۱ رشعبان ۱۳۴۵ھ یوم چہارشنبہ بوقت تقریباً نو بجے ہندی، بذل المجہود کا اختتام ہوا اور حضرت کو اتنی مسرت تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور ۲۳ رشعبان جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد مدرسہ شرعیہ میں حضرت قدس سرہٗ نے بڑی طویل دعوت علماء مدینہ کی کی جس کے دعوت نامے بھی طبع کرائے۔[۱۲۷]

فہرست تصانیف مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

ذیل میں مولانا زکریا صاحب کی تالیفات حروف تہجی کے اعتبار سے درج کی جاتی ہیں۔

(۱) الابواب والتراجم للبخاری　　(۲) الاعتدال فی مراتب الرجال

(۳) آپ بیتی (۷ حصوں میں)　　(۴) اختلاف الائمہ

(۵) اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ
(۶) اضافہ براشکال اقلیدس
(۷) اکابر علماء دیوبند
(۸) اکابر کا رمضان
(۹) اوجز المسالک شرح موطا امام مالک

(ت)

(۱) تاریخ مظاہر علوم
(۲) تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات
(۳) تحفۃ الاخوان فی بیان تجوید القرآن
(۴) تقریر نسائی شریف
(۵) تلخیص البذل
(۶) تین مکتوبات مع اضافات
(۷) تاریخ مشائخ چشت
(۸) تقریر بخاری شریف
(۹) تقریر مشکوۃ شریف
(۱۰) تلخیص المؤلفات والمؤلفین

(ج)

(۱) جزء اختلافات الصلوۃ
(۲) جزء افضل الاعمال
(۳) جز انکحۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۴) جزء حجۃ الودع وعمرات ﷺ
(۵) جزء روایات الاستحاضہ
(۶) جزء صلوۃ الخوف
(۷) جزء طرق المدینہ
(۸) جزء المبہمات فی الاسانید والروایات
(۹) جزء مکفرات الذنوب
(۱۰) جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۱۱) جزء تخریج حدیث عائشہ فی بریرہ
(۱۲) جامع اختلافات الصلوۃ
(۱۳) جزء الاعمال بالنیات
(۱۴) جزء امراء المدینہ
(۱۵) جزء الجہاد
(۱۶) جزء رفع الیدین
(۱۷) جزء صلوۃ الاستسقاء
(۱۸) جزء صلوۃ الکسوف
(۱۹) جزء المناط
(۲۰) جزء المعراج

(۲۱)	جزءملتقط المرقات	(۲۲)	جزءاولیات القیامہ

(ح)

(۱)	حکایات صحابہ	(۲)	حواشی الاشاعۃ فی اشراط اساعۃ
(۳)	حواشی بذل المجہود	(۴)	حواشی مسلسلات
(۵)	حواشی اصول الشاشی	(۶)	حواشی کلام پاک
(۷)	حواشی ہدایہ		

(خ)

(۱) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

(د)

(د) داڑھی کا وجوب

(ر)

(۱)	رسالۃ التقدیر	(۲)	رسالہ دراحوال قراء سبعہ
(۳)	رسالہ مجدد دین ملت	(۴)	رسالہ نسبت اجازت
(۵)	رسالہ اسٹرائک	(۶)	رسالہ قرائد حسینی
(۷)	رسالہ معمولات برائے طالبین	(۸)	رسالہ نصائح حج ومکتوب گرامی

(س)

(۱) سیرت صدیق رضی اللہ عنہ

(ش)

(۱)	شرح الفیہ	(۲)	شرح سلم العلوم
(۳)	شذرات الحدیث	(۴)	شرح جزری

(ض)

(۱) ضمیمہ خوان خلیل

(ف)

(۱) فتنہ مودودیت
(۲) فضائل تجارت
(۳) فضائل درود شریف
(۴) فضائل صحابہ
(۵) فضائل عربی زبان
(۶) فضائل نماز
(۷) فضائل تبلیغ
(۸) فضائل حج
(۹) فضائل ذکر
(۱۰) فضائل صدقات
(۱۱) فضائل قرآن

(ق)

(۷۶) قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم

(ک)

(۱) الکوکب الدری علی جامع الترمذی

(ل)

(۱) لامع الدراری علی صحیح البخاری

(م)

(۲) مختصات المشکوٰۃ
(۳) مشرقی کا اسلام
(۴) مشائخ تصوف
(۵) معارف الشیخ
(۶) معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی
(۷) معجم الصحابہ التی اخرج عنہم ابوداؤد الطیالیسی فی مسندہ
(۸) معجم المسند للامام احمد
(۹) مقدمہ بذل المجہود

(۱۰) مقدمہ ترمذی شریف
(۱۱) مقدمہ طحاوی شریف
(۱۲) مقدمہ علم حدیث
(۱۳) مکتوبات تصوف
(۱۴) موت کی یاد
(۱۵) مقدمہ ابن ماجہ شریف
(۱۶) مقدمہ اکمال الشیم
(۱۷) مقدمہ بخاری شریف
(۱۸) مقدمہ ارشاد الملوک
(۱۸) مقدمہ شمائل ترمذی
(۱۹) مکتوبات بنام اکابر
(۲۰) مکتوبات علمیہ
(۲۱) میری محسن کتابیں

(ن)

(۱) نظام مظاہر العلوم

(و)

(۱) الوقائع والدہور

حوالہ جات

۱۔ تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی، ج:۳،ص:۲۴۷،دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد،۱۳۲۰ء

۲۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی، ص:۵۸۔۴۵۷، قاہرہ،۱۹۳۱ء

۳۔ تہذیب التہذیب، ج:۳،ص:۲۶۷

۴۔ تاریخ فرشتہ اردو ج:۱،ص:۱۰۴، اردو ترجمہ مکتبہ ملت دیوبند،۱۹۸۳ء

۵۔ نفس مصدر ص:۱۲۷ حوالہ بالا

۶۔ حدائق حنفیہ فقیر محمد، ص:۲۳ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۹۰۶ء

۷۔ فوائد الفواد امیر حسن اردو ترجمہ، صفحات:۱۵۳۔۱۵۲، نول کشور، لکھنؤ ۱۸۹۴ء

۸۔ نفس مصدر // ص:۱۳۷ حوالہ بالا

۹۔ نفس مصدر // ص:۱۳۲۔۹۹ حوالہ بالا

۱۰۔ نزہۃ الخواطر عبدالحیٔ حسنی ص:۹، حیدرآباد،۱۳۵۰ھ

۱۱۔ تاریخ کشمیر خواجہ اعظم شاہ ص:۳۷۔۳۶،مطبوعہ لاہور،۱۳۰۳ھ، فرشتہ ج:۲،ص:۳۲۹

۱۲۔ نزہۃ الخواطر عبدالحیٔ حسنی ص:۹۰۔۸۹ حوالہ بالا

۱۳۔ چچ نامہ ص:۸۵۔۸۳ مطبع موجود نہیں

۱۴۔ نفس مصدر ص:۱۰۶

۱۵۔ ماہنامہ معارف ج:۲۲، شمارہ:۴،ص:۲۵۶، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

۱۶۔ سفر نامہ ابن بطوطہ، نفیس احمد اردو ترجمہ، ص:۲۰۷، نفیس اکیڈمی کراچی،۱۹۶۱ء

۱۷۔ تاریخ فرشتہ اردو ج:۱،ص:۳۰۲ حوالہ بالا

۱۸۔ الضوء اللامع ج:۳، ص:۲۲۲ ۔ علامہ سخاوی، مطبوعہ قاہرہ،۱۳۵۳ھ

۱۹۔ النور السافر عبدالقادر العیدروسی ص:۲۰۳۔۲۰۲، بغداد،۱۹۳۴ء، الضوء اللامع، ج:۷،ص:۲۷۸

۲۰۔ اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) عبدالحق دہلوی، مترجم: اقبال احمد، ص:۴۲۶، دارالاشاعت بندر روڈ، کراچی،۱۹۶۳ء

۲۱۔ منتخب التواریخ: عبدالقادر بدایونی، ج:۳،ص:۱۲۹، کالج پریس کلکتہ،۱۸۶۹ء

۲۲۔ نفس مصدر: ج:۳،ص:۱۲۹

۲۳۔ اخبارالاخیار (اردو ترجمہ)،ص:۴۲۹،تاریخ علماء ہند،ص:۳۳۸

۲۴۔ نفس مصدر: ص:۴۲۹

۲۵۔ مجمع بحارالانوار: طاہر پٹنی، ج:ا،ص:۳،نول کشور لکھنؤ،۱۳۱۴ھ

۲۶۔ مراۃ احمدی: ج:۲،ص:۷۷، نواب علی،ضمیمہ،بمبئی ۱۹۲۴ء

۲۷۔ حدائق حنفیہ: ص:۴۱۷،تذکرہ علماء ہند،ص:۸۸

۲۸۔ نزہۃ الخواطر: ج:۶،ص:۲۲۲

۲۹۔ تذکرہ کاملان رام پور: احمد علی شوق، ص:۳۸۹، دہلی ۱۹۲۹ء

۳۰۔ حدائق حنفیہ: ص:۴۱۹، خزینۃ الاصفیاء،ج:ا،ص:۶۳۹

۳۱۔ نفس مصدر: ص:۴۲۴، معارف، ج:۲۳،ش:۶،ص:۴۴۳

۳۲۔ معارف: ج:۲۳،ش:۶،ص:۴۴۳

۳۳۔ حدائق حنفیہ: ص:۴۷۲۔۴۷۱، مقدمہ اوجز المسالک،ص:۴۳۔۴۲

۳۴۔ نفس مصدر: ص:۴۹۱،مقدمہ اوجز المسالک،ص:۴۲

۳۵۔ اخبارالاخیار: ص:۱۵۔۱۱ملخصاً

۳۶۔ حدائق حنفیہ: ص:۴۱۸، تذکرہ علماء ہند،ص:۵۳۴

۳۷۔ تذکرہ علماء ہند: رحمان علی،ص:۲۱۸،مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی،کراچی،۱۹۶۱ء

۳۸۔ معارف: ج:۲۲،ش:۴،ص:۲۶۹،اعظم گڑھ

۳۹۔ تذکرہ علماء ہند: ص:۲۱۸،تذکرہ کاملان رام پور،احمد علی شوق،ص:۱۵۹

۴۰۔ نفس مصدر: ص:۵۰۰،حدائق حنفیہ،ص:۴۲۱،تاریخ کشمیر،ص:۱۳۸

۴۱۔ تاریخ کشمیر: ص:۱۰۳

۴۲۔ حدائق حنفیہ: ص:۹۔۴۰۸،تذکرہ علماء ہند،ص:۱۷۲

۴۳۔ نفس مصدر: ص:۲۴۔۴۲۳،تاریخ کشمیر،ص:۱۷۶

۴۴ نفس مصدر: ص:۴۳۵،تذکرہ علماء ہند،ص:۳۵۸

۴۵ تذکرہ علماء ہند: ص:۴۰۳

۴۶ حدائق حنفیہ: ص:۴۳۷،حیات جلیل،ص:۱۴۳۔مقبول احمد،الہ آباد ۱۹۲۰ء

۴۷ نفس مصدر: ص:۴۴۵،سبحۃ المرجان،آزاد،ص:۱۱۸۔ بمبئی ۱۳۰۱ھ

۴۸ تذکرہ علماء ہند: ص:۳۶۲

۴۹ معارف العوارف: عبدالحیٔ حسنی

۵۰ نزہۃ الخواطر: عبدالحی حسنی،ج:۶،تذکرہ حسین ہروی،تذکرۂ علماء ہند،ص:۱۶۶

۵۱ تذکرہ علماء ہند: ص:۴۷۳

۵۲ نفس مصدر: ص:۴۷۴،نزہۃ الخواطر،ج:۶،تذکرہ محمد بن جعفر،ص:۳۹۰

۵۳ نفس مصدر: ص:۴۷۴

۵۴ نزہۃ الخواطر: ج:۶،ص:۴۳۶

۵۵ نفس مصدر: ج:۶،تذکرہ نعیم بن فیض،ص:۳۹۰

۵۶ نفس مصدر: تذکرہ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن سندھی،ص:۳۴۵

۵۷ معارف العوارف: شرح ثلاثیات بخاری

۵۸ تراجم علماء حدیث ہند: امام خاں، دہلی، ۱۹۳۸ء

۵۹ نزہۃ الخواطر: ج:۶،ص:۴۰،حدائق حنفیہ،ص:۴۴۳

۶۰ نفس مصدر: ج:۶،ص:۳۹۰،حدائق حنفیہ،ص:۴۴۳

۶۱ نفس مصدر: ج:۶،ص:۲۵۹،دائرۃ المعارف،حیدرآباد،۱۳۷۲ھ

۶۲ تذکرہ علماء ہند: ص:۳۵۰،نزہۃ الخواطر،حوالہ بالا،ج:۷

۶۳ حدائق حنفیہ: ص:۴۵۱،نزہۃ الخواطر،ج:۶

۶۴ تذکرہ علماء ہند: ص:۵۴۲

۶۵ حدائق حنفیہ: ص:۴۶۵

۶۶ علماء ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں صاحب، ج:۲،ص:۵۲۔۴۲،ایم برادرس، کتابستان، دہلی
تذکرہ علماء ہند: ص:۳۰۲

۶۷ مقدمہ اوجز المسالک: ص:۴۶۔۴۵

۶۸ نفس مصدر: ص:۴۳

۶۹ نفس مصدر: ص:۴۵

۷۰ حدائق حنفیہ: ص:۹۲۔۴۹۱

۷۱ حالات مشائخ کاندھلہ: احتشام الحسن، ص:۱۹،ادارہ اشاعت دینیات، دہلی

۷۲ نفس مصدر: ص:۵۰،تذکرہ مولانا محمد یوسف، ص:۲۲،مفتی عزیز الرحمٰن، مطبوعہ، بجنور

۷۳ نفس مصدر: ص:۲۰

۷۴ نفس مصدر: ص:۲۴

۷۵ نفس مصدر: ص:۲۶

۷۶ نفس مصدر: ص:۲۷،تذکرہ مولانا یوسف، ص:۲۲

۷۷ نفس مصدر: ص:۱۳۴

۷۸ نفس مصدر: ص:۱۴۴

۷۹ نفس مصدر: ص:۱۶۷

۸۰ نفس مصدر: ص:۱۷۰

۸۱ نفس مصدر: ص:۱۷۴

۸۲ نفس مصدر: ص:۱۷۸

۸۳ نفس مصدر: ص:۱۸۰

۸۴ نفس مصدر: ص:۱۸۲

۸۵ نفس مصدر: ص:۱۸۵

۸۶ نفس مصدر: ص:۱۸۷

۸۷۔ نفس مصدر: ص:۱۹۰

۸۸۔ نفس مصدر: ص:۱۹۵

۸۹۔ نفس مصدر: ص:۱۹۶

۹۰۔ نفس مصدر: ص:۱۹۷

۹۱۔ نفس مصدر: ص:۲۰۱

۹۲۔ نفس مصدر: ص:۲۰۲

۹۳۔ نفس مصدر: ص:۲۰۶

۹۴۔ نفس مصدر: ص:۲۰۶

۹۵۔ نفس مصدر: ص:۲۰۸

۹۶۔ نفس مصدر: ص:۲۰۹، ولی کامل، ص:۵۸، مفتی عزیز الرحمٰن، مدنی دار التالیف، بجنور، ۱۹۷۰ء

۹۷۔ نفس مصدر: ص:۲۱۷، ولی کامل، ص:۵۹

۹۸۔ نفس مصدر: ص:۲۲۰، ولی کامل، ۶۲

۹۹۔ حالات مشائخ کاندھلہ: ص:۶۔۵

۱۰۰۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی: ابوالحسن ندوی، ص:۵۰۔۴۹، مطبوعہ مکتبہ اسلام ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ، ۲۰۰۳

۱۰۱۔ آپ بیتی نمبر۲: محمد زکریا، ص:۹۱۔۹۰، مطبوعہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور، ترتیب جدید مولانا عبداللہ

۱۰۲۔ نفس مصدر: ص:۹۴

۱۰۳۔ نفس مصدر: ص:۹۷

۱۰۴۔ نفس مصدر: ص:۹۹

۱۰۵۔ نفس مصدر: ص:۳۔۱۰۲

۱۰۶۔ نفس مصدر: ص:۱۱۴

۱۰۷۔ آپ بیتی نمبر۱: ص:۵۴

۱۰۸؎ نفس مصدر: ص:۱۱۵

۱۰۹؎ نفس مصدر: ص:۱۱۶

۱۱۰؎ نفس مصدر: ص:۱۱۹

۱۱۱؎ نفس مصدر: ص:۱۲۲

۱۱۲؎ نفس مصدر: ص:۱۲۴

۱۱۳؎ نفس مصدر: ص:۱۲۷

۱۱۴؎ نفس مصدر: ص:۱۴۱

۱۱۵؎ نفس مصدر: ص:۱۴۲

۱۱۶؎ نفس مصدر: ص:۴۴-۱۴۳

۱۱۷؎ نفس مصدر: ص:۱۴۹

۱۱۸؎ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات: مولانا شاہد، سہارنپور

۱۱۹؎ آپ بیتی نمبر: ص:۳۰-۱۲۹

۱۲۰؎ مقدمہ تقریر بخاری اردو: ص:۲۰

۱۲۱؎ آپ بیتی نمبر۵: ص:۵۸۳

۱۲۲؎ تاریخ مظاہر العلوم: محمد شاہد، ج:۲،ص:۱۰۷،مطبوعہ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور

۱۲۳؎ آپ بیتی نمبر۲: ص:۶۵-۱۶۴

۱۲۴؎ نفس مصدر: ص:۱۲۰

۱۲۵؎ مقدمہ بذل المجہود: ص:۲، مطبوعہ سہارنپور

۱۲۶؎ آپ بیتی نمبر۲: ص:۱۶۷

۱۲۷؎ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی: ج:۱،ص:۱۷۹ مولانا محمد یوسف متالا، کتب خانہ یحیوی، سہارنپور، ۲۰۰۸ء

باب دوم

مولانا محمد زکریا
خدمات حدیث کے چند پہلو

فصل اوّل

مولانا محمد زکریا کی تدریسِ حدیث کی خصوصیات

مولانا محمد زکریا صاحب کو حق تعالیٰ نے فہم حدیث میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے انھیں مدرسہ مظاہر العلوم کا شیخ الحدیث نامزد کیا جب وہ اپنی عمر کے تیسویں سال میں تھے اور ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک بیالیس سال اسی منصب پر فائز رہ کر ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے اور مشترکہ ہندوستان میں شیخ الحدیث کے لقب سے جانے گئے اور جانے جاتے ہیں۔

ان کے درس کی بعض اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

ابتدائی سالوں میں تو مولانا کا درس انتہائی مفصل ہوتا رہا لیکن جوں جوں طلبا کی استعداد اور قویٰ میں انحطاط آتا گیا آپ کی درسی تقریر مختصر ہوتی رہی جیسا کہ فرماتے ہیں:

> ''میں نے اپنے والد صاحب سے اپنے بچپن میں بار بار ایک فقرہ سنا اور اپنے دور میں اس کا خوب مشاہدہ کیا۔ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ معلوم نہیں کہ ایک رمضان میں کیا تغیر ہوجاتا ہے کہ دو سال کے دورہ والوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ اپنے پچاس سالہ تدریس حدیث کے دور میں مشاہدہ بھی کرلیا، حدیث پڑھانے کے ابتدائی دور میں بعض بعض طلبا ایسے اچھے اشکالات کیا کرتے تھے کہ جی خوش ہوجاتا تھا، لیکن انتہا میں بعض دفعہ درمیان میں تقریر کو اس لیے چھوڑنا پڑتا تھا کہ مخاطبین میں سے کوئی اس کو سمجھ نہیں رہا تھا۔[۱]

آپ کا درس عشق نبوی ﷺ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے اوصاف وکمالات کے ذکر پر انتہائی سوز وگداز سے کلام فرماتے جس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا اور حاضرین تک پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی سانحہ ارتحال پیش آیا ہے۔

آپ کے درس میں جملہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب وعظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ جس محدث یا فقیہ پر رد کرنا ہوتا اس کا اسم گرامی انتہائی عظمت کے ساتھ لیتے۔ مثلاً حافظ ابن حجرؒ کے متعلق فرماتے کہ حنفیہ کے رجال اور ان کے مذہب کے موافق دلیلوں سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں جیسے انہیں خبر ہی نہ ہو۔ حالاں کہ اسی راوی یا روایت کو اپنی کتاب میں دوسری کسی ایسی جگہ بطور استدلال ذکر فرماتے ہیں جہاں حنفیہ کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ حافظ ابن حجرؒ کے متعلق یہ سب کچھ دلیل کے ساتھ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے کہ ان سب کے باوجود ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر حافظ صاحب کا جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں ہے[۲]

ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے۔ اگر حدیث حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی ایسی توجیہات نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ نشان دہی فرما دیتے کہ اس میں پانچ یا سات یا دس ابحاث ہیں۔ پھر ہر ایک کی قدرے تفصیل فرماتے۔ ان میں جس کو امام بخاری نے چھیڑا ہوتا اس کی مزید تشریح فرماتے۔

امام بخاریؒ محدث ہونے کے باوجود بلند پایہ فقیہ ومجتہد بھی تھے۔ ان کی مجتہدانہ شان جامع صحیح کے تراجم ابواب میں پنہاں ہے۔ تراجم ابواب کا مقصد، ابواب کے درمیان باہمی مناسبت اور باب کے تحت لائی جانے والی حدیثوں سے ان کی مطابقت ہر دور میں مشکل سمجھی گئی۔ شیخ کو کثرت ممارست اور خدا داد ذکاوت کی بناء پر ان تراجم کے دقائق ومعارف کی معرفت میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ بلکہ مجموعی طور پر مولانا نے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ یہ اصول ''الابواب والتراجم'' میں مذکور ہیں۔ ان اصول کی روشنی میں شیخ جب ابواب واحادیث میں مناسبت بیان فرماتے تو بات بآسانی سمجھ

میں آجاتی ہے۔[۳]

بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں مگر حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر سے خالی نہیں۔ مثلاً امام موصوف کا ترجمہ "باب الصلوٰۃ الی الحربۃ" پر سارے شراح خاموش ہیں، مگر شیخ کی دور رس نگاہ نے یہاں بھی امام بخاری کی شایان شان ایک لطیف توجیہ حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے وہ یہ کہ چوں کہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں کی پرستش ہوتی تھی، اس لیے اس ترجمہ سے امام موصوف اس وہم کو دور فرما رہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانے میں حرج نہیں ہے۔

حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لیے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت ہوتی وہاں عملی صورت بنا کر دکھاتے، مثلاً بخاری ۱/۶۹ پر ووضع یدہ الیمنی علی الیسری وشبک بین اصابعہ ووضع خدہ الایمن علی ظھر کفہ الیسری بغیر صورت مثالی بنائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبا کو دکھاتے۔

فاستوصوا بھم خیراً کے بموجب مہمانان رسول ﷺ کی خیر خواہی اور نفع رسانی ہر وقت پیش نظر رہتی۔ آپ جواہر شناس شخصیت کے مالک تھے۔ بعض ذہین اور محنتی طلبا جن میں شیخ محسوس کرتے کہ یہ آگے چل کر کچھ کر سکتے ہیں ان کو اس کے علاوہ خصوصیت سے اپنے قریب بلاتے۔ افادات سے نوازتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تربیت اور علمی رہنمائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کئی ایک نے قابل رشک نمایاں کارنامے انجام دیے۔[۴]

مولانا محمد زکریا کے افادات بخاری بوقت تدریس بخاری:

مولانا محمد زکریا صاحب ۴۲ سال تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ ظاہر ہے کہ مسلسل مطالعے نے ان کی فکر کو صیقل بنا دیا تھا۔ چنانچہ اسی مسلسل مطالعے کی وجہ سے فہم حدیث خصوصاً تفہیم وفہم بخاری میں ان کو علماء کے مابین ایک نمایاں امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ وہ تدریس بخاری کے دوران ایسی علمی

بحثیں اور افادات طالبین علم تک پہنچاتے جو عموماً منفرد اور ممتاز ہوا کرتی تھیں۔ ہم ذیل میں بطور نمونہ حضرت کے درسی افادات بخاری کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں:

باب الضجعة على الشق الأيمن:

عن عائشة قالت كان النبی صلى الله عليه وسلم اذا صلى ركعتی الفجر اضطجع على شقه الأيمن ۔[۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو داہنے کروٹ پر لیٹ جاتے۔

اس لیٹنے کو ابن حزم نے واجب کہا ہے۔ بلکہ اس کو فرائض کی طرح بتایا ہے اور امام مالک اور بعض صحابہ نے اس کو بدعت کہا ہے اور اس کو بدعت اسی وجہ سے کہا کہ جب ایک مباح چیز کو یا مندوب کو واجب کا درجہ دے دیا جاوے تو وہ چیز مکروہ اور ناجائز ہو جاتی ہے۔ امام احمد اس کو مستحب کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ لینا فرض اور سنت کے درمیان فصل کے لیے ہے اور احناف کے نزدیک یہ استراحت کے لیے ہے اور روایت اسی کو راجح قرار دیتی ہے۔ کیوں کہ دو طرح کا لیٹنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے۔ ایک تہجد کے بعد اور ایک فجر کی سنت کے بعد تو یہ لیٹنا استراحت کے لیے ہے اور صوفیاء کے نزدیک چونکہ الصلوٰۃ معراج المومنین ہے اور روایات میں ہے المصلی نیاحی ربه، اور اخیر شب میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے تو اللہ جل شانہ کا نزول اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا (عبادت کے ذریعہ سے) عروج، یہ ایسی چیز تھی کہ ملکوتیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلبہ ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس جلال کی (صحابہ کرام) تاب نہ لا سکتے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر زمین پر لیٹ جاتے تا کہ ارضیت پیدا ہو جائے، تا کہ خدام زیارت اور کلام کی تاب لا سکیں۔[۶]

باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فی الصف:

عن انس عن النبی صلى الله عليه وسلم قال اقيموا صفوفكم فانی اراكم من وراء ظهری وكان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه

بقدمہ ۔[7]

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی صفیں برابر رکھو میں تم کو پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ صف میں اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور کندھا کندھے سے ملا دیتا۔

یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے پیچھے کا حال معلوم ہوجاتا تھا۔ یہ قول میرے نزدیک ضعیف ہے۔(۲) جو پہلے قول سے بھی اضعف ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں پیچھے دو آنکھیں تھیں۔ بلکہ اس کو تو لغو بھی کہہ سکتا ہوں۔ اس لیے کہ روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک ذکر کیا گیا ہے۔اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔(۳) بعضوں نے کہا دیوار آئینہ کا حکم رکھتی ہے جیسے موٹر میں آئینہ ہوتا ہے کہ پیچھے کی موٹر کا حال معلوم ہوجائے۔(۴) التفات فرما کر دیکھتے تھے۔ (۵) جوانشاء اللہ ثم انشاء اللہ میرے نزدیک زیادہ اچھا قول ہے۔ جمہور تو اس کو مانتے نہیں وہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ جنت میں رؤیت باری تعالیٰ ہوگی اور جنت میں مومن کی آنکھوں میں وہ قوت ہوگی جو جنت سے بالاتر ہوگی۔ تو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزہ کے طور پر دنیا میں (وہ قوت) عطاء کردی گئی تو کیا حرج ہے۔ نیز جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاچکے ہیں تو اس قوت کے پھر چھننے کا کیا مطلب اگرچہ یہاں اس میں بھی اختلاف ہے کہ (معراج میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی رویۃ ہوئی یا نہیں۔ میرے نزدیک بہت قوی قول یہ ہے کہ رویت ہوئی ہے اگرچہ امام رازی کے نزدیک یہ قول اضعف ہے۔[8]

باب عقدالشيطان على تافية الرأس إذا لم يصل بالليل:

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يقعد الشيطان على تافية راس احدكم اذا هو نام ثلاث عقد يضرب عند كل عقدة عليك ليل طويل فاوقد فان استقيظ فذكر الله انحلت عقدة فان توضا انحلت عقدة فان صلى انحلت عقدة فأصبح نشيطاً

طيب النفس والا اصبح خبيث النفس كسلان۔[9]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی (رات کو) سوجاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے (جادو کی گرہیں) اور ہر گرہ پر یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ بڑی رات پڑی ہے سوجا، پھر اگر آدمی جاگا، اور اللہ کی یاد کی تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرے تو دوسری کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھے تو آدمی صبح کو خوش مزاج رہتا ہے ورنہ صبح کو سست مزاج رہتا ہے۔

نماز سے کون سی نماز مراد ہے۔اس میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ اس سے عشاء مراد ہے۔اس صورت میں تہجد سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی فرماتے ہیں کہ یہ گرہیں لگتی ہوئی بھی اور کھلتی ہوئی بھی نظر آئیں اور شاہ صاحب کو کب نوبت آئی ہوگی کہ عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے۔تو مراد یہ ہے کہ نماز نہ پڑھے تو باقی رہتی ہے۔اسی لیے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد دو رکعت مختصر نماز پڑھتے تھے تا کہ وہ گرہ جلدی سے کھل جاوے اور بقیہ نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہو کر پڑھی جاوے۔

جادو بکثرت بالوں میں ہوا کرتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں بھی کیا گیا۔اس لیے بچے کے پہلے بال زمین کھود کر گاڑ دیئے جاتے ہیں اور شیطان کے لیے چھوٹے بالوں میں بھی گرہ لگانا مشکل نہیں۔ نیز عقدہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے مذکورہ صورت میں عقد سے مراد حقیقتاً گرہ لگانا ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مجاز مراد ہے کہ تین گرہ سے مراد سہ آتشہ ہے جیسے ماء اللحد سہ آتشہ کہ تین دفعہ اس کا عرق پکایا گیا ہو اور شیطان ہر عقدہ پر علیک لیل طویل افسون پڑھتا ہے۔[10]

باب الامر باتباع الجنائز أمرنا بسبع :

عن البراء بن عاذب قال امرنا النبى صلى الله عليه وسلم بسبع

ونهانا عن سبع امرنا باتباع الجنائز وعيادة المريض ونهانا عن آنية الفضة وخاتم الذهب والحرير والديباج والقسى والاستبرق۔[۱۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع فرمایا آپ نے حکم دیا جنازوں میں جانے کا، بیمار کی عیادت کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا، قسم پورا کرنے کا، سلام کا جواب دینے کا، چھینکنے والے کے لیے دعا کرنے کا اور آپ نے منع فرمایا چاندی کے برتن، سونے کی آنگوٹھی، خالص ریشمی کپڑے، اور دیباج، قسی اور استبرق سے۔

ان سات میں امرنا باتباع الجنائز بھی ہے اور اسی بنا پر شراح بخاری نے اس جگہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ جنازے کے ساتھ جانے میں آگے جانا افضل ہے یا پیچھے چلنا افضل ہے جیسا کہ ہمارے نزدیک ہے۔ یا اختیار ہے جیسا کہ حنابلہ کے یہاں ہے۔ سواری ہو تو پیچھے چلنا افضل ہے ورنہ آگے جیسے کہ مالکیہ کے یہاں ہے۔

شراح کہتے ہیں یہ روایت امرنا باتباع الجنائز کی ہے اور جنازے کے پیچھے چلنے کے قائلین کا مستدل ہے، مگر جہاں تک بخاری کے ترجمے کا تعلق ہے یہ سب غلط ہے اس لیے کہ ابھی تو وہ مرا نہیں ابھی تو نہ اس کو کفن دیا نہ نماز پڑھی نہ کچھ۔ ابھی سے قبرستان اس کو کہاں لے جاتے ہو یہ مسئلہ اس باب سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ ۱۷۵ سطر نمبر ۲۶ اور ۱۷۴ سطر نمبر ۲۶ پر یہ مسئلہ آرہا ہے اور وہ سب ابواب اپنی جگہ آرہے ہیں ابھی سے قبرستان کہاں لے جارہے ہو۔

دراصل امام بخاری بہت باریک بین ہیں اس لیے یہاں میری رائے یہ ہے کہ امرنا باتباع الجنائز کا معنی امام بخاری پیچھے لگنے کے لیتے ہیں جیسے اتباع امام ابوحنیفہ اور جیسے الجیش یتبع الامیر اگرچہ دونوں اتباع کے مابین علاقہ ہے مگر دونوں میں فرق ہے اس لیے میرے نزدیک یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے سارے انتظامات میں مشغول ہو جاؤ یہ روایت اس روایت کے ہم معنی ہیں جن میں تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مروی ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے جتنوں کی ضرورت ہے ان کو اس کے پیچھے لگ جانا ہے۔[۱۲]

باب صوم یوم عرفه

عن ام الفضل بنت الحارث ان ناساً تمار وعندها یوم عرفة فی صوم النبی صلی الله علیه وسلم فقال بعضهم هو صائم وقال بعضهم لیس بصائم فارسلت الیه بقدح لبن وهو واقف علی بعیره فشربه ۔[۱۳]

ترجمہ: حضرت ام فضل بنت حارثؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ان کے پاس جھگڑا کرنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کو روزہ رکھا ہے یا نہیں۔ بعضوں نے کہا کہ آپ روزہ دار ہیں بعضوں نے کہا نہیں آپ روزے سے نہیں پھر ام فضل نے دودھ کا ایک پیالہ آپ کے پاس بھیجا اونٹ پر سوار تھے آپ نے پی لیا۔

یہاں روزہ توڑنے کی روایت ذکر کی، اس سے معلوم ہوا کہ سنن کی روایات جس میں دوسال کے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس پر رد ہے، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ کا روزہ ثابت ہے۔ افضل ہے اور عاشورہ کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوں اور عرفہ کے روزے سے دوسال کے گناہ معاف ہوں، اس لیے ہے کہ اس میں امت کو کفلین عطا کیا گیا ہے۔

یہاں پر میری ایک اور رائے یہ ہے کہ عرفہ کا روزہ جو رکھے گا وہ آئندہ سال نہیں مرے گا۔ جس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کا روزہ نہیں رکھا تھا جس کو دوسرے سال جینا ہو وہ رکھے۔[۱۴]

کتاب الذکوة وقول الله عزوجل واقیموا الصلوة

قال ابن عباس حدثنی ابوسفیان فذکر حدیث النبی صلی الله علیه وسلم فقال یامرنا بالصلوٰة والزکوٰة والصلة والعفان۔[۱۵]

ترجمہ: ابن سفیان فرماتے ہیں ابوسفیان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز درستی سے ادا کرو، اور زکوٰۃ دو۔ ناطہ جوڑنے اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔

چوں کہ قرآن پاک اور احادیث میں نماز کا قرین زکوۃ ہے اس لیے کتاب الصلوۃ کے بعد کتاب

الزکوٰۃ شروع ہوگئی ہے۔ وقول اللہ عزوجل واقیموا الصلوۃ ۔اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ زکوۃ کے وجوب کی تاریخ بھی بتلاتا ہے کہ آیت شریفہ مکی ہے اس لیے اس کا وجوب قبل ہجرت ہوا ہے لیکن اس پر اشکال کے کہ زکوۃ ۲ھ مدینہ میں ہوئی تو جواب ہے کہ فرضیت تو مجملاً مکہ میں ہی ہوئی، لیکن مفصلا فرضیت ۲ھ مدینہ میں ہوئی جیسا کہ صلوۃ فرض تو ہوئی صلوۃ المعراج میں، اور ابتدا اس کی صلوۃ الظہر سے ہوئی تو ایسے ہی یہ بھی ہے۔[۱۶]

باب مایذکر فی الصدقة للنبی صلی الله علیه وسلم

حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا محمدبن زیاد قال سمعت اباهریرة قال اخذ الحسن بن علی تمرة من تمر الصدقة فجعلها فی فیه فقال النبی صلی الله علیه وسلم کخ کخ لیطرحها ثم قال اما شعرت انا الصدقة ۔[۱۷]

ترجمہ: محمد بن زیادہ رضی اللہ عنہما سی مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ سنا ہے وہ کہتے تھے امام حسن بن علی نے زکوٰۃ کی کھجور میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھی چھی اس لیے کہ وہ اس کو پھینک دیں پھر فرمایا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ مالی جائز نہیں چاہے نافلہ ہو یا واجبہ ہو۔ جیسا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کھجوریں لیکر آئے تو آپ نے پوچھا کیا ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ نے فرمایا کھاؤ بھائی دوسرے دن بھی لیکر آئے تو پھر آپ نے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمانا شروع کیا اور فرمایا آؤ بھائی۔ امام شافعی صدقۂ نافلہ کو جائز قرار دیتے ہیں علی واله صدقه واجبه زکوۃ تو ان کے لیے جائز نہیں لیکن صدقہ نافلہ جائز ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ صدقہ قرض جائز ہے چونکہ اس کے قبول کرنے میں زکوۃ دینے والے پر احسان ہوگا اس کے قبول کرنے کا، ہاں صدقہ، نافلہ ان کے لیے جائز نہیں کیونکہ ان میں صدقہ دینے والے کا لینے والے پر احسان

ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زکوۃ سیدوں کی سیدوں پر جائز ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک اور سیدوں سے مراد عندالاحناف صرف بنو ہاشم ہیں، اور شافعی کے نزدیک بنو ہاشم و بنوعبدالمطلب بھی شامل ہیں۔ [۱۸]

باب الوکالة فی قضاء الدیون:

عن ابی هريرة ان رجلا اتى النبى صلى الله عليه وسلم يتقاضاه فاغلظ فهم به اصحابه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعوه فان لصاحب الحق مقالا ثم قال اعطوه سنا مثل سنه قالو يارسول الله صلى الله عليه وسلم لانجد الا امثل من سنه فقال اعطوه فان من خيركم احسنكم قضاء۔ [۱۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض کا تقاضا کرنے لگا اور سخت الفاظ کہے، آپ کے اصحاب نے اس کو سزا دینا چاہا، آپ نے فرمایا نہیں کہنے دو جس کا حق نکلتا ہو وہ ایسی باتیں کر سکتا ہے پھر آپ نے فرمایا اس کو اسی عمر کا اونٹ دے دو لوگوں نے فرمایا اس عمر کا تو نہیں اس سے بہتر اونٹ ہے آپ نے فرمایا وہی دے دو تم میں اچھے وہی لوگ ہیں جو خوبی کے ساتھ قرض ادا کریں۔

قال الشراح اگر کوئی قرض ادا کرنے میں وکیل بنائے تو جائز ہے اور یہ مطل الغنی ظلم میں داخل نہیں کہ اصل مقروض نے اس کو ٹال دیا۔ میری رائے یہ ہے کہ ابوداؤد میں ہے علی الید ما اخذت یعنی جس نے لیا اسی کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہے مثلاً دس روپے قرض خواہ کے تھے اور اس مقروض کو اس کے منی آڈر میں آٹھ آنے خرچ ہوئے تو وہ آٹھ آنے دس روپے میں سے نہیں کاٹ سکتا کیونکہ **علی الید ما اخذت** اسی کے اس کو پہنچاتا ہے تو بخاری رحمتہ اللہ علیہ ان روایات کی تائید کر رہے ہیں۔ [۲۰]

باب حدثنا اسحق بن ابراهيم:

عن ابی بكر قال انطلقت فاذا انا براعی غنم يسوق غنمه فقلت لمن

انت قال لرجل من قريش فسماه فعرفته فقلت هل فی غنمك من لبن فقال نعم فقلت هل انت حالب لی قال نعم فامرته فاعتقل شاة من غنمه ثم امرته ان ینفض ضرعها من الغبار ثم امرته ان ینفض کفیه بالاخری فحلب کثبة من لبن وقد جعلت لرسول الله صلی الله علیه وسلم اداوة علی فمها خرقة فصببت علی اللبن حتی برد اسفله فانتهیت الی النبی صلی الله علیه وسلم فقلت اشرب یارسول الله صلی الله علیه وسلم فشرب حتی رضیت ۔[۲۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں چلا (ہجرت کے قصے میں) ایک بکریوں کا چرواہا ملاوہ بکریاں ہانک رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تو کس کا چرواہا ہے اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا میں اس کو پہچانتا تھا میں نے اس سے پوچھا تیری بکریوں میں کچھ دودھ بھی ہے اس نے کہا ہاں ہے۔ میں نے کہا میرے لیے دودھ نچوڑے گا اس نے کہا اچھا میں نے اس سے کہا اس نے ایک بکری پکڑی میں نے کہا اس کا تھن گردوغبار سے صاف کرو اور اپنے ہاتھ بھی جھاڑ اس نے ایسا ہی کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مارا پھر ایک پیالہ دودھ نچوڑا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راستے میں ایک پانی کی چاگل رکھ لی تھی اس کا منہ کپڑے سے باندھ دیا تھا میں نے اس میں سے پانی لے کر اس دودھ پر ڈالا اور نیچے تک ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر میں آپ کے پاس آیا میں نے عرض کیا پیجئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اتنا پیا کہ میں خوش ہوگیا۔

مذکورہ روایت پر اشکال ہے کہ اس کو کتاب اللقطہ سے کیا تعلق؟ جواب یہ ہے کہ جیسے کہ مالکیہ کی رائے ہے کہ لك او لاخيك اوللذئب کی وجہ سے بکری کا لینا جائز ہے تو اس طرح دودھ دوھ لینا بھی جائز ہے، دوسرا یہ ہے کہ اس کی عرب میں بہت کثرت تھی، میری رائے یہ ہے کہ کسی کی ماشیہ کو نہ دوھنا چاہیے تو بخاری رحمتہ اللہ علیہ یہ بتلاتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو کہ کس کے جانور ہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

باب لاتحلب ماشية:

عن عبدالله بن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لایحلبن احد ماشیة امری بغیر اذنه أیحب احدکم ان توتی مشربته فتکسر خزنته فینتقل طعامه فانما نخزن لهم ضروع مواشیهم اطعامتهم فلایحلبن احد ماشیة احد الا باذنه ۔[۲۳]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دوسرے کے جانور کا دودھ بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کوئی اس کے گودام میں آ کر اس کے غلے کا کوٹھہ توڑے اور غلہ لے کر چل دے ایسے ہی جانوروں کے تھن ان کے کھانے کے کوٹھے ہیں تو کسی کا جانور بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہو۔

ابوداؤ کی روایت ہے کہ جب کوئی کسی کے جانور پر گزرے تو فلیصوت ثلاثا ثم یحلبها اوکما قال عند الشراح ۔ بخاری کی غرض مذکورہ باب سے اس روایت کی تضعیف کرنا ہے۔ عندی یہ عرب کے دستور کے موافق تھا ان کے یہاں عرف ایسا ہی تھا کہ بغیر اجازت کے جانور کو دوہ کر پی لیتے تھے۔ جیسا کہ یہاں بھی تقسیم سے قبل تک یہ عرف رہا کہ جامون اور شہتوت کے درخت نہیں بیچے جاتے تھے بلکہ جس کا جی چاہے جا کر کھالے اور یہ آواز صرف اطلاع کے طور پر دی جاتی تھی۔[۲۴]

باب الانتصار من الظالم:

بقوله جل ذکره لایحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم وکان الله سمیعا علیما والذین اذااصابهم البغی هم ینتصرون۔ قال کانوا یکرهون ان یستذلوا فاذا قدروا عفوا۔[۲۵]

ترجمہ: ظالم سے بدلہ لینا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ نساء) میں فرمایا اللہ کھلم کھلا برا کہنا پسند نہیں کرتا مگر مظلوم ایسا کرسکتا ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے اور (سورہ الشوریٰ میں) فرمایا اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو واجبی بدلہ لیتے ہیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا

صحابہ ذلیل بننے کو برا جانتے تھے جب دشمن پر قدرت حاصل کر لیتے تھے تو معاف کر دیتے تھے۔

قال الشاہ ولی اللہ ان آیات کی ترتیب سے خلفاء کرام کی ترتیب خلافت ثابت ہوتی ہے۔ والذین یجتنبون الکبائر سے اوصاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر صادق آتے ہیں کیوں کہ آپ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو باجود ایسی سخت بات کے معاف کر دیا اور الذین استجابو سے اوصاف خاصہ ہیں حضرت عمرؓ کے آپ ہی سے تراویح کی سنت مروج ہے وامرھم شوریٰ بینھم یہ حضرت عمرؓ سے خلافت حضرت عثمانؓ کی طرف شوری سے منتقل ہوئی اور مما رزقناھم ینفقون یہ اوصاف خاصہ ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے۔[۲۶]

باب فضل الطليعة:

عن جابر قال قال النبی صلی الله علیه وسلم من یاتینی بخبر القوم یوم الاحزاب قال الزبیر انا ثم قال من یاتینی بخبر القوم قال الزبیر انا فقال النبی صلی الله علیه وسلم لکل نبی حواریا وحواری الزبیر۔[۲۷]

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن ارشاد فرمایا بنی قریظہ کی خبر کون لاتا ہے زبیر نے فرمایا میں لاتا ہوں پھر آپ نے فرمایا بنی قریظہ کی خبر کون لاتا ہے زبیر نے کہا میں لاتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیغمبر کا ایک حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔

طلیعہ وہ گروہ جو دشمن کی جاسوسی کے لیے جائے تو چوں کہ اس میں چند آدمی ہی ہوتے ہیں اس لیے گویا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے لیکن چوں کہ جہاد پورا خطرہ والا ہے اس لیے اس کا جواز بتلاتے ہیں آگے کا باب بمنزلہ تکملہ کے ہے کہ ایک آدمی کو بھی طلیعہ میں بھیجا جا سکتا ہے اب دوسرے باب کی روایت پر اشکال ہے کہ حضور ﷺ کے پوچھنے پر طلیعہ کے طور پر جانے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تیار

ہوئے تین مرتبہ آپ نے پوچھا، اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر جانے کے لیے تیار ہوئے لیکن دوسری روایت میں حضرت حذیفہ کا نام آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعہ ہیں ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ تیار ہوئے اور ایک مرتبہ حضرت حذیفہ تیار ہوئے۔ بعض شراح نے باب ہل یبعث الطلیعۃ وحدہ کی غرض یہ بتائی ہے کہ اس سے تنہا سفر کا جواز ثابت کرنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ الراکب شیطان والراکبان شیطانان اور تین جماعت ہے لیکن عندی یہ صحیح نہیں۔[۲۸]

باب مناقب سعد بن معاذ:

عن ابی اسحاق قال سمعت البراءؓ یقول اهدیت للنبی صلی الله علیه وسلم حلة من لین هذه لمنادیل سعد بن معاذ خیر منها او الین رواه قتادة والزهری سمعا انساً عن النبی صلی الله علیه وسلم۔[۲۹]

ترجمہ: حضرت ابو اسحٰق سے مروی ہے انھوں نے کہا میں نے براء بن عازب سے وہ کہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوڑا ریشمی کپڑے کا تحفہ آیا آپ کے اصحاب اس کو چھونے لگے اور پسند کر کے اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے آپ نے فرمایا تم اس کی نرمی پر تعجب کرتے ہو سعد بن معاذ کی تو الیں اس سے زیادہ نرم یا اچھی ہیں اس حدیث کو قتادہ اور زہری نے بھی انس بن مالک سے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

حدثنا محمد بنی المثنی الی قوله عن جابر سمعت النبی صلی الله علیه وسلم اهتز العرش لموت سعد بن معاذ ۔ یعنی حضرت سعد کے انتقال پر اللہ کا عرش بھی ہل گیا لیکن ایک آدمی نے حضرت جابر سے کہا کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اهتز السریر یعنی جو گنہگار ہو اس کا جنازہ ہلتا ہوا جایا کرے تو حضرت جابر نے فرمایا ان دونوں میں کینہ ہے کیوں کہ حضرت سعد بن معاذ اوسی ہیں اور حضرت براء خزرجی ہیں اور روایت اهتز عرش الرحمن ہی ہے ان دونوں قبیلوں میں رقابت ہمیشہ ہی سے رہتی ہے علامہ خطابی بھی یہی کہتے ہیں کہ سعد اوسی اور براء خزرجی اور ابن عبد البر مالکی

نے الاستیعاب میں بھی یہی لکھا ہے میری رائے یہ ہے کہ یہ غلط ہے حضرت براء اصبحی اوسی ہیں ہاں ان کے اجداد میں اوس کا نام آتا ہے لیکن اوس سے مراد وہ اوس نہیں جو قبیلہ اوس ہیں۔ عندوالدی حضرت براء و سعد تو اوسی ہیں لیکن حضرت جابر خزرجی ہیں اور وہ یوں فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ اوس اور خزرج میں ہمیشہ رقابت رہی ہے۔ تو سعد اوسی ہیں اور میں خزرجی ہوں اور اس کے بارے میں یوں کہتا ہوں اھتزعرش الرحمٰن اگر اھتز السریر کوئی کہتا ہے تو میں کہتا، لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ میں نے اھتزعرش الرحمٰن سنا ہے۔[30]

باب ذکر جریر بن عبدالله البجلی:

عن قیس قال سمعته یقول قال جریر بن عبدالله ؓ ماحجبنی رسول الله صلی الله علیه وسلم منذ اسلمت ولا رأنی الا ضحك وعن قیس عن جریر بن عبدالله قال کان فی الجاهلیة بیت یقال له ذوالخلصة وکان یقال له الکعبة الیمانیة او الکعبة الشامیة فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم انت مریحی من ذی الخلصة قال فنفرت الیه فی خمسین ومائة فارس من احمس قال فکسرنا وقتلنا وجدنا عنده فاتینا فاخبرناه فدعا لنا ولاحمس۔[31]

ترجمہ: حضرت قیس بن حازمؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جریر نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی (گھر میں آنے سے) نہیں روکا اور جب آپ نے مجھ کو دیکھا ہنستے رہے۔ اور قیسؒ نے جریرؓ سے یہ بھی روایت کی کہ جاہلیت کے زمانے میں (یمن میں) ایک گھر تھا ذوالخلصۃ اس کو لوگ یمنی کعبہ یا شامی کعبہ بھی کہا کرتے تھے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جریر تو اس ذوالخلصۃ سے مجھ کو بے فکر کر سکتا ہے جریر نے کہا میں یہ سن کر ڈیڑھ سو سوار (اپنے قبیلے) احمس سے لے کر ذی الخلصۃ پر گیا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور جو وہاں ملا قتل کر ڈالا لوٹ کر

جب آیا تو آپ کو خبر کی تو آپ نے مجھ کو اور احمس کے قبیلے والوں کو دعا دی۔

آپ کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے چالیس روز اور ایک قول کے مطابق ۸۰ روز پہلے ہے۔ بعض حضرات کو حافظ جیسے کو بھی اس پر اشکال ہے کہ حضرت بخاری کو حضرت جریر کی تاریخ بیان کرنا تھی تو پھر اس کو حضور ﷺ کے وصال کی جگہ بیان کرتے کیوں کہ ان کا اسلام حضور ﷺ کے وصال سے ۴۰ دن قبل ہے اور اگر مناقب بیان کرتے تھے تو حافظ کے نزدیک یہ کتابت کی غلطی سے یہ باب یہاں آ گیا۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ صحیح ہے اور کعبہ یمانیہ جو حضور ﷺ کے زمانے میں بنایا گیا تھا اس کو حضرت جریر نے توڑا تھا۔ اس کو اصل میں بیان کرنا ہے اور حضرت جریر کا ذکر تبعاً ہے اس لیے نہ تو اس کو مناقب میں بیان کیا اور نہ حضور ﷺ کے وصال کے موقع پر۔ [۳۲]

فصل دوم

مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی چند نمایاں کتب حدیث کا مطالعہ

حضرت شیخ نے یوں جتنی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں سبھی لائق مطالعہ اور تبصرہ وتعارف کی مستحق ہیں لیکن چوں کہ ان کی زندگی کا اہم حصہ حدیث اور علوم حدیث کی خدمت میں گزرا، اور انہی موضوعات کے حوالے سے ان کی شخصیت اسلامی اور علمی حلقے میں متعارف رہی ہے اس لیے یہاں حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ان کی تصانیف کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اوجز المسالک فی موطا الامام مالک:

موطا حدیث کی پہلی مدون کتاب ہے اور تمام دینی اور سرکاری مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے، ضرورت تھی کہ اس کے مشکل مقامات کے حل کے لیے اور مذہب مالکی سے جڑے اقوال کی تشریح کے لیے اس کی ایک مفصل شرح لکھی جائے کیوں کہ اس کی موجودہ شرحیں یا تو بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے تشنگی بجھانے سے قاصر تھیں یا پھر بہت زیادہ طوالت کی وجہ سے اکتاہٹ کا باعث تھیں۔ لیکن شرح لکھنے کا کام آسان نہیں تھا اس کے لیے مذہب مالکی کی کتابوں پر وسیع نظر کی ضرورت تھی اور یہ خوبی مولانا موصوف کے اندر پائی جاتی تھی چنانچہ ان کی یہ شرح جامعیت کی خصوصیت سمیٹے منظر عام پر آئی۔ یہ شرح دوسری شروح سے بہت سی خصوصیات میں ممتاز ہے یہ شرح ایک مکمل اور جامع شرح ہے اور موطا کی دوسری شرحوں اور اس کے دوسرے حاشیوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے اور بلاشبہ یہ کتاب اس بات کی مستحق ہے کہ اسے علم حدیث کا دائرۂ معارف قرار دیا جائے اس شرح کے مطالعے کے بعد علم حدیث میں مصنف علام کا وسعت مطالعہ اور ان کی باریک بینی، ژرف نگاہی، مختلف دلائل کے ذکر میں ان کی غیر جانبداری اور مختلف مذاہب کے اقوال نقل کرنے میں ان کی دیانتداری اور باریک بینی آشکارا ہو جاتی ہے۔ اس شرح

میں اسمائے رجال پر شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے مذاہب اربعہ اور دوسرے مذاہب کے اختلافی مسائل کو ان کے معتبر ماخذ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث کی شرح کی گئی ہے اور پھر مشائخ محدثین اور ہندوستان کے بڑے محدثین کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

کتاب کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ خود کتاب کے مطالعے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے، لیکن جن علماء کرام نے ان کی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کتاب کی عظمت واہمیت کے سلسلے میں کچھ کہا یا لکھا ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالفتاح مولانا زکریا صاحب کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

فقد شرحتهم بهذا الشرح الكتاب (الموطأ) الصدور والقلوب واندتم به العقول والابصار، واجتهدتم فی ا لافادات للمستفیدین حتی صدق أن یقال كل الصید فی جوف الفرا"۔ [۳۳]

ترجمہ: آپ نے کتاب موطأ کی اس شرح کے ذریعہ لوگوں کے سینوں اور دلوں کو کھول دیا ہے، عقلوں اور نگاہوں کو روشن کر دیا ہے اور استفادہ کرنے والوں کو فائدہ پہنچانے میں بہت محنت کی ہے اور بلاشبہ اوجز المسالک کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ساری شرحوں سے عمدہ اور فزوں تر ہے۔

شیخ عبدالوھاب عبدالطیف لکھتے ہیں کہ اوجز المسالک جو چھ جلدوں میں ہے اس کو جمع کرنے میں بڑی محنت کی گئی ہے اور حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اقوال نقل کرنے میں بڑی وسعت سے کام کیا گیا ہے اس لیے مولف داد وتحسین کے مستحق ہیں۔ [۳۴]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔ یہ کتاب موطأ کی مشہور شرحوں میں ہے اور اس بات کی حق دار ہے کہ اسے علم حدیث کا انسائیکلوپیڈیا شمار کیا جائے۔۔ [۳۵]

اوجز المسالک کا علمی منہج:

مولانا کی یہ شرح چند خصوصیات کی حامل ہے ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں تاکہ کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے۔

(۱) مولف نے روایات کی توجیہ اور تطبیق کے علاوہ کہیں بھی اختراع سے کام نہیں لیا ہے بلکہ سارے مباحث اکابر مشائخ کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔

(۲) مولف نے جو کچھ بھی مشائخ سے نقل کیا ہے ان کے اسماء کی صراحت کر دی ہے اور مراجع ذکر کر دیئے ہیں، البتہ اس سے زرقانی اور بذل المجہو د استثناء ہے کیوں کہ انھوں نے ان دونوں مراجع سے کثرتِ اخذ ونقل کی بناء پر صریح نسبت ترک کر دی ہے، یوں ہی حدیث کی سند کے رجال سے متعلق جو گفتگو حافظ ذہبی کی تہذیب، تقریب اور تعجیل سے نقل کی گئی ہے اس کا بھی حوالہ اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا گیا ہے، جامع الاصول کے جو رجال ذکر کیے گئے ان کی نسبت بھی اکثر ترک کر دی گئی ہے ان کے علاوہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) ہر راوی کے حالات سند میں پہلی مرتبہ ذکر کرتے وقت درج کر دیئے گئے ہیں اور پھر کتاب کے آخر میں ایک فہرست دے دی گئی ہے۔ گویا یہ ایک طرح سے رجال موطأ پر مستقل رسالہ ہے۔

(۴) امام مالک کی مراسیل اور تعلیقات کو اپنے وجدان کے حساب سے متصل ثابت کیا ہے۔

(۵) مذاہب کے بیان میں صرف مذاہب اربعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

(۶) مذاہب کے بیان میں اکثر ائمہ اربعہ کی کتب فرعیہ پر اعتماد کیا ہے۔

(۷) چوں کہ اصل کتاب مسلک مالکی کے مطابق ہے اس لیے مالکی مذہب سے متعلق کتابوں مثلاً مدوّنہ وغیرہ کی طرف رجعت کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔

(۸) احناف کے دلائل اکثر اختصار کے ساتھ ہندوستانی تقاضوں کے پیش نظر ذکر کر دیئے گئے ہیں لیکن دوسرے ائمہ کے زیادہ دلائل سے اختصار کے پیش نظر اعراض کیا گیا ہے۔

(۹) ہر جگہ ائمہ ومشائخ کی عظمتوں کا خیال رکھا گیا ہے اور کہیں کوئی بات پیش کی گئی ہے تو نہایت احترام وادب کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔[۳۶]

کتاب کی علمی خصوصیات:

یہ شرح نہایت مفید اور نفع بخش ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور

ہوجاتا ہے کہ مولف نے عمدہ علمی بحث کی ہے۔ شاندار شرح کیا ہے۔ اکابر علماء کے اقوال کثرت کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں اوراس پر ان کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، اس میں بہت سی نئی علمی بحثیں بھی ہیں اور بعض ایسی نادر توجیہات بھی ذکر کی گئی ہیں جو دوسرے مولفین کے یہاں نہیں ملتی ہیں ان خصوصیات کے علاوہ کچھ دوسری خصوصیات یہ ہیں:

(۱) مفردات کو حل کر دیا گیا ہے، غریب الفاظ وکلمات کی شرح کردی گئی ہے اصل متن کے معانی ومطالب کو واضح کر دیا گیا ہے۔

(۲) الفاظ حدیث میں صحاح ستہ کے مختلف الفاظ کی جانب تنبیہ کردی گئی ہے۔

(۳) اختصار وجامعیت کے ساتھ اسماء رجال حدیث پر گفتگو کی گئی ہے اور جرح وتعدیل بھی ذکر کی گئی ہے تا کہ حدیث کے وزن کا اندازہ ہوجائے۔

(۴) یہ کتاب جہاں احناف کے لیے علمی ذخیرہ ہے وہیں دوسرے مذاہب خصوصا مذہب مالکی اور مذہب شافعی وحنبلی کے لیے بھی قیمتی اثاثے کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) اس کتاب میں مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کو بھی بیان کیا گیا ہے اختلافی مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ معتبر کتابوں کے حوالے سے تمام مذاہب کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ خصوصاً مذہب مالکی کے سلسلے میں اقوال نقل کرنے میں بڑی بصیرت سے کام کیا گیا ہے۔

(۶) اہم فقہی اور اصولی مباحث کو مدلل بیان کیا گیا ہے۔

(۷) حدیثی فقہی لغوی اور دیگر تمام حیثیتوں سے موطاً کی جامع شرح کی گئی ہے اور ہر باب میں فیصلہ کن بحث ذکر کی گئی ہے۔

(۸) کتاب کا اسلوب نگارش نہایت واضح اور سلیس ہے کہیں الجھاؤ نہیں ہے، الفاظ فصیح وبلیغ استعمال کیے گئے ہیں، ایجاز واطناب کے بجائے مساوات کا اسلوب اپنایا گیا ہے، تا کہ قاری نہ خلجان کا شکار ہو اور نہ اکتاہٹ کا۔

(۹) مرسل اور موقوف حدیث کو مسند اور مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

(۱۰) ضرورت کے پیش نظر اور ابواب سے حدیث کی مناسبت واضح کرنے کے لیے تراجم ابواب کی شرح کی گئی ہے۔

(۱۱) اہم مسائل میں، فیہ عدۃ مباحث، اور عدۃ مسائل کہہ کر پوری بحث کی گئی ہے۔

(۱۲) حدیث کی شرح اکابر حدیث کے حوالے سے کی گئی ہے لیکن اگر کہیں کوئی شبہ یا وہم پایا گیا تو اس کی توضیح وتشریح کردی گئی ہے اور اس کی جانب اشارہ کردیا گیا ہے۔

(۱۳) یہ کتاب ایک شاندار مقدمے پر مشتمل ہے جس میں علوم تاریخ تدوین حدیث سے متعلق کتاب صاحب کتاب سے معلومات اور دوسری مفید معلومات ذکر کی گئی ہیں یہ مقدمہ خود اپنے آپ میں علوم حدیث کا دائرہ معارف ہے اور حدیث کے طالب علم کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ سات ابواب پر مشتمل ہے:

پہلے باب میں حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی، اسم ونسبت، ولادت و وفات، اخلاق واوصاف، اولاد امجاد، اساتذہ، تلامذہ ومستفیدین اور ان کی شخصیت کے متعلق علماء کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور آخیر میں موطاً کے علاوہ ان کی دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں موطاً کی افضلیت اور اس سے متعلق علماء کے اقوال وجہ تسمیہ، منہج کتاب کو بیان کیا ہے اور پھر موطاً کے راویوں اس کے نسخوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور پھر یحیٰ بن یحیٰ مصمودی کے نسخے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور موطاً کی روایات کی تعداد بھی بیان کی گئی ہے، پھر موطاً کے مراسیل وبلاغات کو اس کے متعلقہ احکام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور آخیر میں موطاً سے متعلق لکھی کتابوں کا تعارف ان کے مولفین کے ساتھ کرایا گیا ہے۔

تیسرے باب میں ذاتی تعارف، اپنے شیوخ کا تذکرہ، اور اپنی سندوں کا تذکرہ اکابر علمائے ہند کے تعارف کے ساتھ کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں امام ابوحنیفہ ان کے شیوخ وتلامذہ کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سے متعلق اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

پانچویں باب میں بعض اہم اصول کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں اداب محدث، مراتب اہل حدیث، آداب طالب حدیث، تحمل وادا، حدیث کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔

ساتویں باب میں علوم حدیث کے بعض نکات بیان کیے گئے ہیں۔[۳۷]

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری:

یہ شیخ رشید احمد گنگوہی کے ان افادات وتحقیقات کا مجموعہ ہے جو وہ صحیح بخاری شریف کی تدریس کے وقت بکھیرا کرتے تھے اسے ان کے ایک لائق شاگرد شیخ یحییٰ کاندھلوی نے قلم بند کیا تھا لیکن چوں کہ شیخ رشید احمد گنگوہی کی گفتگو بڑی مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی اسی لیے شیخ محمد زکریا نے اس مجموعے کے مبہم اور غریب کلمات کا حل لکھا۔ مجمل کی توضیح کی، عمدہ اور مفید حاشیے سے آراستہ کیا، علمی فوائد کو جمع کیا اور انوکھے نکتے بیان کیے ہیں، ان خصوصیات کی بناء پر کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہوگئی اور صحیح بخاری کی بڑی بڑی شرحوں سے بے نیاز کردینے والی بن گئی۔

اس کتاب پر ایک شاندار علمی مقدمہ جس میں علوم حدیث، مولفات حدیث اس کی انواع واقسام، طبقات وخصائص سے گفتگو کی گئی ہے۔ اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی سیرت وسوانح اور ان سے متعلق عمدہ علمی باتوں کو جمع کردیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں اختیار کیے گئے منہج، خصوصیات، امام بخاری کے التزامات اور اس کتاب کو ملنے والی مقبولیت کے تعلق سے عمدہ گفتگو کی گئی ہے۔ مولف نے مقدمہ میں ستّر اصلیں بیان کی ہیں جو کہ قدیم وجدید علم حدیث کی کتابوں اور بخاری کی شرحوں سے ماخوذ ہیں اور چند اصولوں کا اپنی جانب سے اضافہ بھی کیا ہے۔

ان اصول کے مطالعے سے تراجم بخاری کو سمجھنے اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے در حقیقت یہ مقدمہ بکھرے علمی فوائد پر مشتمل ہے جسے مولف نے ایک مقام پر ذکر کردیا ہے ان فوائد میں کچھ تو صحیح بخاری شریف پر اعتراضات وجوابات سے متعلق ہیں اور کچھ دوسرے موضوعات سے جو صحیح بخاری ہی سے جڑے ہیں۔ ان کے علاوہ مقدمے میں ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب سے متعلق عمدہ معلومات نفع

بخش بحثیں اور اصول ور جال حدیث کی قیمتی بحثوں کو بھی شامل کیا ہے اس مقدمے سے کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے یہ مقدمہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں نہایت انصاف و دیانت داری کے ساتھ حضرت امام بخاری کے مختلف گوشوں کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں امام بخاری کی جامع صحیح کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور وجہ تالیف بھی ذکر کی گئی ہے، بخاری شریف سے متعلق علماء کرام کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں، صحیح بخاری کی شرحوں، خصوصیتوں، ابواب میں امام بخاری کا منہج، دوسری کتابوں میں ان کا طریقہ کار، اور مکرر احادیث سے متعلق بیش قیمت گفتگو کی گئی ہے، اور دوسری کتب حدیث کے مابین، امام بخاری کی صحیح کا مقام و مرتبہ واضح کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور دوسری اہم باتیں بھی ذکر کی گئی ہیں، آگے چل کر انواع کتب حدیث، اور ان کا تعارف امام بخاری کے رواۃ کا تعارف ذکر کیا گیا ہے اور ان احادیث پر گفتگو کی گئی ہے جن پر ناقدین فن کی جانب سے امام بخاری پر تنقید ہوئی ہے، اور پھر اس کے جوابات ذکر کیے گئے ہیں۔ تیسری فصل میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب سے بحث کی گئی ہے۔ خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے، اور اس باب میں تالیف کی گئی دوسری کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، چوتھی فصل میں صحیح بخاری کی شرحوں اور متعلقہ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، یہ مقدمہ اپنی اہمیت کے پیش نظر علاحدہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔۔[۳۸]

(۳) الابواب والتراجم

یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کریم میں کلیات بیان کیے گئے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت اس کی شارح، اور اس کی توضیح کرنے والی ہے، اور یہ بات بھی شبہے سے بالاتر ہے کہ کتب سنت واحادیث میں صحت کے لحاظ سے سب سے افضل و معتبر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی صحیح بخاری ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے بڑی مقبولیت ملی علماء کرام نے اس کی شرحیں لکھیں، مشکل مقامات کی توضیح کی، امام بخاری کے منہج کو بیان کیا، لیکن صحیح بخاری کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت اس کے ابواب اور تراجم ابواب ہیں جس میں انھوں نے بڑی باریک بینی سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے، اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی فقاہت ان کے قائم کردہ ابواب، اور تراجم ابواب میں جھلکتی ہے، اور اسی بناء

پر علماء متقدمین ومتاخرین نے ان کے تراجم ابواب پر بڑی توجہ کی، اس کی شرح لکھی، تعلیق تحریر کی، اس کی تدریس کا اہتمام کیا، اور کچھ علماء کرام نے مستقل ان ابواب وتراجم ابواب کی شرحیں کتابوں کی شکل میں لکھیں، ان میں ایک نام علامہ ناصرالدین علی بن محمد بن المنیر الاسکندرانی کا ہے، انھوں نے تراجم ابواب کی شرح مستقل کتاب کی شکل میں لکھی اور اسے ''المتواری علی تراجم البخاری'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن رشید الفہری نے ''ترجمان التراجم'' کے نام سے اس کی شرح لکھی، فقیہ ابوعبداللہ محمد بن منصور بن حمامہ مفرادی متوفی ۷۷۰ھ نے ''مصابیح الجامع'' کے نام سے اس کی شرح لکھی، یوں ہی شاہ ولی اللہ محدث دھلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے بھی تراجم ابواب بخاری پر ایک جامع نکات ولطائف رسالہ لکھا۔

تراجم ابواب بخاری کے ساتھ علماء کرام کا یہ شغف جاری رہا، لیکن متقدمین کی ان انواع کی اکثر کتابوں کے ضائع ہوجانے کے بعد ضرورت تھی کہ تراجم ابواب بخاری کی شافی ووافی شرح لکھی جائے چنانچہ انھوں نے نہایت باریک بینی، وسعت مطالعہ کے ساتھ یہ شرح لکھی، اور متقدمین مثلا ابن حجر عسقلانی، عینی، شاہ ولی اللہ کے افادات کے علاوہ اپنے اساتذہ کے افادات کو جمع کردیا اور اس میں اپنے ذہانت وفطانت اور میدان حدیث میں اپنے وسیع علمی تجربے کی روشنی میں بہت کچھ اضافہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی یہ تالیف اپنے موضوع پر نہایت جامع شمار کی گئی۔

یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے یہ ابواب اور تراجم ابواب بخاری پر دوسری ساری کتابوں سے بے نیاز کردینے والی ہے۔

(٤) الکوکب الدری:

یہ کتاب دراصل شیخ محدث رشید احمد گنگوہی کے افادات ترمذی کا مجموعہ ہے، جسے ان کے ایک لائق شاگرد محمد یحییٰ کاندھلوی نے عربی میں جمع کیا تھا، شیخ یحییٰ نے لکھا ہے کہ وہ ان افادات کے جمع کرنے کے زمانے میں جب تک اس کام کو مکمل نہ کرلیتے، کسی اور دوسرے کام میں مشغول نہیں ہوا کرتے تھے، ان سے دوسروں نے ان افادات کو اردو میں منتقل کیا، یہ مجموعہ اگرچہ حجم کے لحاظ سے مختصر تھا لیکن اپنی معنویت اور

افادات کے لحاظ سے بہت اہم تھا اور بہت سی نادر علمی نکات ولطائف پر مشتمل تھا، اور اس بناء پر اس کے مختلف نسخے تیار کیے گئے اور یہ نقلیں لینے کا سلسلہ لگا تار جاری تھا تا آنکہ ان افادات کے کچھ حصے ضائع ہوگئے، چنانچہ مولانا زکریا نے اس مجموعے پر نظر ثانی کر کے اس کے نقائص ومعائب کو دور کیا اور اسے استفادے کے قابل بنادیا، پھر بعد میں انھوں نے مشکل مقامات کی توضیح کی، مغلق مقامات کی شرح کی، حواشی سے آراستہ کیا، حوالوں سے مزین کیا اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سارے علمی فوائد سے اسے مزین کر کے کامل ومکمل بنادیا، اور افادات کا یہ مجموعہ ترمذی کی ایک مکمل اور جامع شرح کی شکل میں سامنے آیا، جسے علماء نے تحسین کی نظر سے دیکھا، اس پر تقریظات وتبصرے لکھے، اور اسے ترمذی کی دوسری شرحوں سے بے نیاز کردینے والا قرار دیا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مکتبہ یحیٰی مظاہر علوم سہارنپور سے چھپ چکی ہے۔

(۵) حجة الوداع وعمرات النبي صلى الله عليه وسلم :

حج چونکہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، اور عام مسلمانوں کو آئے دن متعلقہ مسائل کے جاننے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی بناء پر مختلف علماء کرام نے اپنی تالیفات میں حج اور عمرے اور مناسک حج سے متعلق مسائل مستقل ابواب میں ذکر کیے ہیں، بعض علماء کرام نے مستقل تصنیف کی شکل میں اس سے متعلق گفتگو کی ہے۔ اور اس کے مختلف گوشوں کو واضح کیا ہے، اگر ان ساری کتابوں کو جمع کردیا جائے تو حج اور مناسک حج سے متعلق مستقل لائبریری قائم ہوسکتی ہے۔

مولانا زکریا بھی چوں کہ احادیث سے اشتغال رکھتے تھے۔ خدمت حدیث میں پیش پیش رہنا چاہتے تھے، چنانچہ انھوں نے ۲۷ سال کی عمر میں حجۃ الوداع کے موضوع پر اس کتاب کی تصنیف کی، اور اصل کتاب کی تالیف سے صرف ایک دن ایک رات میں فارغ ہوگئے، پھر اس پر حواشی بھی لکھے اور مجمل کی توضیح اور مشکل کی شرح، اور مبہم کی وضاحت کی، اور اپنے تجربے کی روشنی میں مختلف قیمتی باتوں کا اضافہ کیا۔

اسلوب کتاب اور منہج تالیف کے متعلق شیخ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں اس کتاب میں ان کا منہج یہ

ہے کہ انھوں نے اس موضوع کے مختلف گوشوں کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب دو حصوں میں ہے پہلے حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو بیان کیا ہے تا کہ قاری پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا اپنی بصیرت کی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے،آپ کو عمرہ وطواف کرتے دیکھ لے،اس کتاب میں حجۃ الوداع کے متعلق معلومات کا عظیم ذخیرہ جمع کردیا گیا ہے اور مجموعی طور پر اس کتاب کے مطالعے سے حج وعمرہ کی اصل فکر واضح ہوجاتی ہے۔دوسرے حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے،ان کی تعداد،اور اس کی تعیین اور اس کی تفصیلات تحریر کی گئی ہیں،اس سے متعلق فقہی احکام،تاریخی بحثیں،علمی فوائد اور حدیثی تحقیقات ذکر کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں احرام اور اس سے متعلق واجب اور مستحب باتوں اور مختلف سمتوں میں اس کی میقات کو بیان کیا گیا ہے،انواع حج اور اس میں افضل ترین شکل کو تحریر کیا گیا ہے۔حیض ونفاس والی عورتوں کے احرام کی صحت وکیفیت کے متعلقہ مسائل ذکر کیے گئے ہیں،حجۃ الوداع کے مختلف گوشوں پر اختصار وجامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے،جس میں رائج مسائل کے علاوہ مختلف علماء کرام کی آراء اور اس سے متعلقہ سارے مسائل آگئے ہیں۔مختلف منازل اور ان کے ناموں کی تصریح کردی گئی ہے۔اور پھر بعد میں ان مقامات میں آنے والی تبدیلیوں کو علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں اور خود اپنے تجربات کی روشنی میں بیان کردیا گیا ہے۔اس کتاب کے مطالعے سے مولف کی وسعت نظر اور علم حدیث میں ان کی گہرائیوں کا پتہ چلتا ہے۔حج کے موضوع پر اسے انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔اس کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر جگہ نقل واحتساب میں بڑی امانت داری سے کام لیا گیا ہے،خصوصا مذہب کے مختلف اقوال نقل کرنے میں بڑی دقت نظری کا ثبوت دیا ہے۔مزید ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر جگہ متقدمین کی عظیم کاوشوں کو سراہا گیا ہے اور ان کی بارگاہوں کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔اپنی جانب سے کوئی علمی موقف لکھتے وقت متقدمین کی خدمت میں نہایت ادب واحترام سے اپنی بات کہی ہے اور عجز وانکسار کا مظاہرہ کیا ہے۔

(٦) تعلیقات علی کتاب بذل المجھود فی حل ابی داؤد:

بذل المجھود فی حل ابی داوٗد کی تالیف میں مولانا محمد زکریا بھی اپنے استاد مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے شریک تھے، لیکن بعد میں مولانا محمد زکریا صاحب نے اس کتاب پر حواشی کی شکل میں مزید اضافے کیے اور اسے عام وتام بنانے کی کوشش کی، یہ حواشی دراصل ان کتابوں سے مستفاد ہیں جو ان کے شیخ کی زندگی میں طبع نہیں ہوئی تھیں، یا ان تک اس وقت تک رسائی نہیں ہوسکی تھی، اس لیے اس حاشیے کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اور یہ حاشیہ مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔

(۱) اس حاشیے میں ان فقہی مباحث کو شامل کردیا گیا ہے جو ان کے استاذ سے رہ گئے تھے۔

(۲) اس میں حدیث اور علوم حدیث کے مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳) اسماء وانساب کی تعیین کی گئی ہے۔

(۴) صحت وضعف کے درجے کو کہیں کہیں واضح کردیا گیا ہے۔

(۵) غریب الفاظ کی شرح کردی گئی ہے۔

(٦) سنن ابی داوٗد کے مختلف نسخوں کے مابین مقارنہ کرکے مقامات اختلاف کو بیان کردیا گیا ہے۔

(۷) الفیض السمائی علی سنن النسائی

یہ کتاب دراصل شیخ رشید احمد گنگوہی کے افادات کا مجموعہ ہے جس پر مولف نے مفید اضافے کیے ہیں، لیکن مولف نے بھی بہت سی جگہوں پر بیاض چھوڑ دیا تھا جس کو مظاہر علوم کے استاد اور صدر المدرسین مولانا محمد عاقل نے مکمل کردیا، موصوف مولف علام کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، یہ کتاب تحقیق وتعلیق کا خوب صورت امتزاج ہے، اس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب کے مختلف حصوں کا مقارنہ کرکے مقامات کی وضاحت اور کہیں کہیں ایک دوسرے کی ترجیح کردی گئی ہے۔

(۲) تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت بیان کردی گئی ہے۔

(۳) جہاں ضرورت تھی وہاں سند کے رجال کی تحقیق کردی گئی ہے۔مثلا جہاں اختلاف روایات تھا یا پھر نسخوں کا اختلاف تھا۔

(۴) مشکل عبارات کوحل کردیا گیا ہے،جن میں لیے اکثر وہ مقامات ہیں جن کوعلامہ سندی اور علامہ سیوطی نے چھوڑ دیا تھا۔

(۵) کبھی کبھی ائمہ اربعہ کے مذاہب کو دلائل کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

(۸) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی:

شمائل ترمذی حدیث کی مشہور کتاب ہے،اور علماء کرام کے یہاں مقبول و متداول ہے،قدیم وجدید علماء نے اس کتاب کی جانب توجہ کی ہے۔ یہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات واخلاق وخصائل وشمائل سے متعلق صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔

مولف کتاب نے نہایت اہتمام سے اس کی شرح کی اور اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس کتاب کے مطالعے سے شرح صدر ہوجاتا ہے،ایمان میں جلاء پیدا ہوتا ہے۔

شارح نے محدثین کے انداز میں مختلف روایات پر کلام کیا ہے۔غریب الفاظ کی شرح کردی ہے۔اور علماء وطلباء کے لیے اپنے عربی حاشیے میں رجال حدیث پر بھی گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ اس لائق ہے کہ اس کا ایک نسخہ مسلمانوں کے گھروں میں ہو،تاکہ ضرورت کے وقت مراجعت کی جاسکے۔

فصل سوم

مولانا محمد زکریا کی غیر مطبوعہ کتب حدیث

(۱) حواشی المسلسلات:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے احادیث سلسلہ سے متعلق تین رسائل تحریر کیے ہیں۔

(۱) الفضل المبین فی المسلسلات من حدیث النبی الا مین

(۲) الدر الثمین فی میراث النبی الامین

(۳) النوادر من أحادیث سیدالمرسلین۔

علماء کرام اور مشائخ عظام کی اور مولف حاشیہ کی بھی عادت تھی کہ ختم بخاری شریف کے وقت احادیث مسلسلات کے ختم کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ زکریا نے محسوس کیا کہ ان احادیث پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لیے انھوں نے کمر کسی اور اس پر ایک جامع حاشیہ لکھ دیا، اس میں رجال حدیث کی ایک جامع فہرست شامل کر دی گئی ہے۔ اور بعض احادیث مسلسلات جو شاہ ولی اللہ کے رسائل میں نہیں تھیں ان کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ احادیث مسلسلات کے باب ہیں یہ ایک انفرادی کوشش ہے۔

(۲) اصول الحدیث علی مذهب الحنفیة

اس کتاب میں مولف نے مذہب حنفیہ کے مطابق قواعد واصول حدیث کو جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰/ جمادی الاول میں تکمیل ہوئی، لیکن اس حواش کے اضافے کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک جاری رہا۔[۳۹]

(۳) اولیات القیامة:

اس رسالے میں مولف نے ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جس میں ان باتوں کا بیان ہے جن سے

متعلق قیامت میں سب سے پہلے بندوں سے سوال کیا جائے گا۔[۴۰]

(٤) تبويب تاويل مختلف الاحاديث لابن قتيبة

یہ کتاب دراصل ابن قتیبہ کی کتاب تاویل مختلف الا حادیث کی تبویب ہے، اس کتاب کو مصنف نے فقہی ابواب کی ترتیب کے لحاظ پر مرتب کر کے کتاب سے استفادے کو آسان کر دیا ہے۔

(٥) تبويب مشكل الآثار

مولف نے امام طحاوی کی کتاب مشکل الا ثار کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کر دیا ہے۔[۴۱]

(٦) تخريج الجامع

اس کتاب میں مولف نے امام ابن اثیر جزری کی کتاب، جامع الاصول کی احادیث کی تخریج کر دی ہے، اور جلد وصفحہ کے حوالے سے شروح احادیث کی جانب بھی رہنمائی کر دی ہے، اور کچھ حواشی سے بھی مزین کر دیا ہے۔[۴۲]

(٧) تقارير كتب الحديث

یہ کتاب دراصل حدیث کی مختلف کتابوں کا نوٹ ہے، جسے مولف نے طالب علمی کے زمانے میں اپنے شیخ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور والد محمد یحیٰ کاندھلوی کے افادات کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔

(٨) تقرير مشكاة (شرح مشكوٰة المصابيح)

یہ مشکوۃ شریف کی شرح ہے، جس میں مولف نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے شیوخ کے املا کردہ مضامین کو جمع کر دیا ہے، پھر بعد میں اس میں اپنی جانب سے اضافے کے لیے اور تدریس مشکوۃ کے زمانے میں اپنی نادر تحقیقات سے اسے مزین کیا۔ یہ کتاب متوسط سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔[۴۳]

(٩) تلخيص البذل

یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولف کتاب بذل المجہود کی تالیف میں اپنے استاد کے شریک وسہیم تھے۔ چنانچہ مولف نے بذل المجہود کی تلخیص اپنے الفاظ واسلوب میں تیار کی اور ضرورت کے مقامات کو

چھوڑ کر کہیں بھی استاد سے تعرض نہیں کیا۔[۴۴]

(۱۰) جامع الروایات والاجزاء، غیر مطبوعہ

اس کتاب میں مولف نے صحاح ستہ موطاء امام مالک، موطاء امام محمد حاکم کی متدرک، بیہقی کی سنن کبریٰ، طحاوی شرح مشکل الاثار، وغیرہ سے مختلف احادیث وروایات کو جمع کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔[۴۵]

(۱۱) جزء الاعمال بالنیات

یہ بات معلوم ہے کہ یہ حدیث اصول دین میں شمار کی جاتی ہے، اسی پر عقائد واعمال کا دارومدار ہے، اس حدیث کو ثلث الاسلام اور ربع الاسلام کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے مطابق اس میں فقہ کے ستر ابواب شامل ہیں، چنانچہ اس حدیث کی اہمیت کے پیش نظر مولف نے اس کی شرح کرنے کی ٹھانی، علمی، فنی، گفتگو کر کے اس کی شرح کی، اس کے مختلف طرق کو ذکر کیا ہے، اس کی اہمیت کو واضح کیا، اس کے مستفاد احکام کو تحریر کیا، اس کے الفاظ کی شرح کی، اور مغلق کو کلمات کو حل کیا ہے یہ کتاب چار فائدوں پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلا فائدہ۔ استاد سے متعلق۔

(۲) دوسرا فائدہ۔ معانی کی توضیح سے متعلق۔

(۳) تیسرا فائدہ۔ بیان معانی سے متعلق۔

(۴) چوتھا فائدہ۔ فقہی تحقیقات سے متعلق۔

یوں ہی اس کتاب میں مقتضی اور محذوف کے فرق کو بھی ان فوائد کے مابین واضح کر دیا گیا ہے۔[۴۶]

(۱۲) جزء افضل الاعمال

کون سا عمل سب سے افضل ہے اس باب میں مختلف احادیث مختلف احوال کے لحاظ سے مروی ہیں۔ چنانچہ مولف نے اس کتاب میں اس باب کی تمام روایات کو جمع کر کے افضل اعمال سے متعلق

روایات کی بہت سی توجیہات اور تاویلات کو جمع کر دیا ہے، یہ کتاب بھی مکمل نہیں ہوسکی۔[۴۷]

(۱۳) جزء انکعته صلی الله علیه وسلم

اس کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے متعلق جامع گفتگو ہے امہات مومنین کی تعداد کو ذکر کیا گیا ہے، اور جن کے متعلق اختلاف ہے اسے بھی واضح کیا گیا ہے، جن کو نبی پاک نے نکاح کے پیغام بھیجے لیکن نکاح نہیں ہوسکا ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ازواج مطہرات کے عادات وخصائل وشمائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس باب کے اہم واقعات کو ذکر کیا گیا ہے۔ رسالہ کے اختتام میں حضرت فاطمہ کے نکاح کے متعلق بھی گفتگو کی گئی ہے۔ لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے سلسلے میں اعتراضات مستشرقین سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اگر اس پر بھی کچھ گفتگو کر دی جائے تو کتاب زیادہ مکمل ہوتی۔۔[۴۸]

(١٤) جزء تخریج حدیث عائشة فی قصة بریرة ، غیر مطبوعه

اس کتاب میں مولف نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے متعلق روایات اور خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے روایات کو جمع کر دیا ہے۔ اور مختلف احادیث کے مابین تطبیق کی کوشش کی ہے۔[۴۹]

(۱۵) جزء الجهاد

اس کتاب میں مولف نے جہاد سے متعلق تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔ جہاد کی تعریف کی ہے۔ اس کی شرطوں، اس کے جواز، اور جہاد میں عورتوں کے شرکت کے احکام اور اداب جہاد وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب چار عناوین پر مشتمل ہے۔

(۱) شرائط وجوب

(۲) شرائط جواز

(۳) جہاد میں عورتوں کی شرکت

(۴) اداب جہاد

ان عناوین کے ضمن میں جہاد کی شرعی، فقہی حیثیت اور اس باب میں علماء فقہاء کی رائیں اور ان کے فتاوے بھی ذکر کیے گئے ہیں۔[۵۰]

(۱٦) جزء رفع یدین:

رفع یدین کا مسئلہ بہت مشہور ومعروف ہے۔ اور اس باب میں اختلاف بھی بہت شائع وذائع ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اس مسئلے سے متعلق مختلف کتب احادیث میں مروی مختلف روایتوں کو جمع کیا ہے۔ اسانید متن پر گفتگو کی ہے اور ظاہری روایات کی روشنی میں ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع سے متعلق بڑی جامع ہے۔[۵۱]

(۱۷) جزء صلوۃ الا ستسقاء

اس کتاب میں نماز استسقاء کی روایتوں کو ذکر کر کے اس پر بحث کی گئی ہے اور مختلف فقہی مذاہب کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) جزء صلوۃ الخوف

اس کتاب میں نماز خوف کی مشروعیت کے متعلق روایات احادیث کو ذکر کیا گیا ہے اور ان جگہوں اور غزوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جہاں نماز خوف پڑھی گئی۔ یہ کتاب متوسط سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۹) جزء صلواۃ الکسوف

اس کتاب میں نماز کسوف کی مشروعیت سے متعلق روایات کو ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی اختلاف روایات اور اس باب میں علماء کے مذاہب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔[۵۲]

فصل چهارم

فن ورجال حدیث سے متعلق کتابوں کا تعارف

(۱) جزء ماجاء فی شرح الفاظ الا ستعاذہ

یہ بات واضح ہے کہ سنت مطہرہ قرآن کریم کی شرح کرنے والی ہے ۔عام کی تخصیص۔ مطلق کی تقلید۔ مجمل کی تبیین بھی اسی کے ذریعہ ہوتی ہے، احادیث مطہرہ کا ایک حصہ جہاں احکام ومسائل پر مشتمل ہے، وہیں ایک حصہ دعاؤں اوراورادوظائف پر بھی مشتمل ہے، انہی دعاؤں میں دعاء استعاذہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب کی اصل مشکوۃ کی طرف لوٹتی ہے کیوں کہ مولف نے مشکوۃ کتاب الدعوات والاستعاذہ کے باب کو اخذ کر کے صاحب مشکٰوۃ کی ذکر کردہ تمام احادیث استعاذہ کو ذکر کیا ہے۔ اور پھر غریب الحدیث کے باب میں تالیف شدہ مولفات کے طرز پر اس کی شرح کی، اس طرح کہ پہلے لفظ کو اس کی اصل کی طرف لوٹایا گیا ہے اور پھر اس کے معنی ومراد کی وضاحت ائمہ متقدمین کے اقوال خصوصا ملا علی قاری شارح مشکوۃ، اور امام شرف الدین طیبی کی کتاب ''الکاشف من حقائق السنن'' وغیرہ کی روشنی میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب اب خورشید احمد متودی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ [۵۳]

(۲) جزء مایشکل علی الجار حین، غیر مطبوعہ

اس کتاب میں ان تعارضات کو جمع کر دیا گیا ہے جو مختلف ائمہ جرح وتعدیل کی جانب سے بعض راویوں کے سلسلے میں واقع ہوتے ہیں۔ اور پھر ان تعارضات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ [۵۴]

(۳) جزء ماقال المحدثون فی الامام الاعظم، غیر مطبوعہ

اس کتاب میں امام اعظم ابوحنیفہ سے متعلق مختلف ائمہ حدیث وتاریخ کی جرح وتعدیل۔ توثیق

وتخریج کوذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دو باب پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلا باب۔ محدثین کے اقوال کے بیان میں

(۲) دوسرا باب۔ مورخین کے اقوال کے بیان میں

یہ کتاب متوسط سائز کے چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔[۵۵]

(٤) جزء المبهمات فی الا سانید و الروایات، غیر مطبوعه

علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ بہت سے اسناد اور متن میں مبہم نام آتے ہیں، انہیں میں وہ اسناد بھی ہیں جسے ابوداؤد نے حجاج بن قرامصہ۔عن رجل عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ''(المومن غرّ کریم) اور جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث "ان رجلا قال یا رسوالله الحج کل عام" علماء ومحدثین نے ان اسماء کی تعیین کی کوشش کی ہے، ان میں خطیب ابن بشکوال اور امام نووی وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن حجر نے بھی شرح بخاری کے مقدمے میں مبہمات کی ایک فصل ذکر کی ہے۔

اس کتاب میں مولف نے مختلف آثار واحادیث میں وارد مبہم اسماء کو بیان کیا ہے۔لیکن انھوں نے حافظ ابن حجر کی تہذیب، تقریب، اور تعجیل کے مبہم اسماء سے تعرض نہیں کیا ہے، اگر ایسا کیا جاتا تو کتاب اکمل واتمم ہوتی۔

یہ کتاب نو عناوین پر مشتمل ہے۔

(۱) مبهمات الا یمان والقدر والعلم والا عتصام

(۲) مبهمات الدعاء۔

(۳) مبهمات الجهاد

(٤) مبهمات اللقطه

(٥) مبهمات الحج۔

(٦) مبهمات الذکاة

(۷) مبهمات الصلواة

(۸) مبهمات الطهارة

(۹) مبهمات الروايات.

اس کتاب کی تالیف کا آغاز شوال ۱۳۴۱ھ میں ہوا یہ کتاب متوسط سائز کے تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ہے۔[۵۶]

(۵) جزء المعراج۔غیر مطبوعہ

یہ کتاب اسراء اور معراج سے متعلق وارد روایات وآثار کو جامع ہے اور ساتھ ہی متن اور اسناد کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔[۵۷]

(٦) حواشی ذیل التهذیب۔ غیر مطبوعہ

مولف نے چاہا تھا کہ تہذیب التہذیب پر ایک ذیل (حاشیہ) تحریر کریں لیکن ایسا ممکن نہیں ہوسکا تو بعض جگہوں پر اپنے تعلیقات تحریر کردیئے۔[۵۸]

(۷) ذیل التيسير

امام ابن الربیع متوفی ۹۴۴ھ کی تالیف تیسیر الوصول الی جامع الاصول سے مولف نے بذل المجہود میں کافی استفادہ کیا تھا۔ اور کتاب التیسیر پر ایک حاشیہ لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن ایسا ممکن نہ ہونے کی صورت میں کتاب کے مختلف مقامات سے متعلق اپنی تعلیقات تحریر کردیں۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ جامع الاصول کے مصنف کی رسائی بسا اوقات مراجع حدیث تک نہ ہونے کی صورت میں رزین کی طرف اسکا انتساب کردیتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کے مصنف کو چونکہ اصل محل حدیث تک رسائی ہوگئی، اس لیے انھوں نے جزء اور صفحہ نمبر کی یقین کے ساتھ اصل کی طرف اس کی نسبت تحریر کردی ہے۔[۵۹]

(۸) شذرات اسماء الرجال۔

مولف نے یہ کتاب راویان حدیث کے اسماء اور ان میں کے بعض کے بعض سے سماع کے متعلق اختلاف کو دور کرنے کے لیے تحریر کی ہے۔ یوں ہی بعض راویوں کے نسب کے سلسلے میں اختلاف کو بھی

بیان کیا ہے۔ متضاد عبارتوں کی توضیح کی ہے۔ مختلف اقوال کا تعارض دور کیا ہے۔ یہ ساری خدمت اسماء رجال کی مشہور کتابوں، تهذيب التهذيب، التقريب، التعجيل، لسان الميزان۔ تهذيب الكمال، ميزان الاعتدال کی روشنی میں انجام دی گئی ہے۔[۶۰]

(۹) شذرات الحديث۔ غير مطبوعه

جب اس کتاب کے مولف نے بذل المجہود کی تالیف میں اپنے استاد کی علمی اعانت کا سلسلہ شروع کیا۔ تو انھوں نے صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، حاکم کی مستدرک، اور ابن ماجہ، موطاء امام محمد، موطاء امام مالک، بروایت بیہقی مصمودی شرح معانی الاثار، اور سنن نسائی، کے لیے الگ الگ کا پیاں بنائیں اور ہرایک کا کوڈ تیار کیا، مثلاً شذرات ابوداؤد کے لیے (شد) کا کوڈ رکھا، اس طرح دوسرے کتب احادیث کے لیے بھی رموز متعین کیے۔ مقصد یہ تھا کہ احادیث واثار کی تخریج، اس کی شرح، رجال کا واضح تعارف پیش کیا جائے۔ مولف اس طرح ان چیزوں کو اپنی کاپیوں میں نوٹ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شذرات البخاری کے کئی اجزاء تیار ہو گئے جس کو بعد میں ''لامع الدراری'' اور'' الابواب والتراجم'' میں شامل کردیا گیا، اسی طرح شذرات الترمذی کی کاپی بھی بارہ اجزاء پر مشتمل ہوگئی۔[۶۱]

(۱۰) مختصات المشكاة۔ غير مطبوعه

مولانا محمد زکریا صاحب نے ایک طویل عرصے تک مشکوۃ کا درس دیا، مشکوۃ کی تدریس کے لیے مطالعے کے دوران وہ مختلف شروح سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کتاب میں مولف نے اہم موضوعات کو مصادر ومراجع کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ کہیں، کہیں زبان اردو استعمال کی گئی ہے اور اکثر مقامات پر عربی ہے۔[۶۲]

(۱۱) معجم المسند للامام احمد۔ غير مطبوعه

امام احمد بن حنبل کی مسند حدیث کی مشہور ومتداول کتاب ہے۔ یہ کتاب مسانید صحابہ کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔ اور تمام صحابہ کی حدیث پے در پے بغیر کسی ترتیب کے ذکر کی گئی ہیں، اس لیے امام احمد کی سند کی فہرست سازی کی مختلف کوششیں ہوئی ہیں۔ جو باہم مختلف ہیں، لیکن مقصد ایک ہی ہے کہ

استفادہ کو آسان بنادیا جائے۔ چنانچہ اس کے مولف نے بھی اس سمت میں ایک کوشش کی ہے، اور صحابہ، راویان احادیث کی ایک فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے تیار کی ہے، اور جز، اور صفحہ کی صراحت کردی گئی ہے۔[٦٣]

(۱۲) معجم الصحابة الذين اخرج عنهم ابوداؤد الطيالسي في مسنده: غير مطبوعه

مسند امام احمد ہی کی طرح اس کتاب میں بھی مسانید صحابہ پے در پے بغیر کسی ترتیب کے ذکر کی گئی ہیں، اس لیے اس سے بھی استفادہ بہت مشکل تھا، چنانچہ اس سے استفادے کو آسان کرنے کے لیے مولانا محمد زکریا نے راویان صحابہ کی ایک فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے تیار کی، اور ایک دوسری فہرست صفحات کے لحاظ سے تیار کی، مقصد یہی تھا کہ استفادہ آسان ہو جائے۔[٦٤]

(۱۳) مقدمات كتب حديث:

مولانا محمد زکریا صاحب نے کتب حدیث اور شروح احادیث پر مختلف مقدمے لکھے ہیں، جن میں کچھ چھپ چکے ہیں، اور کچھ مخطوطے کی شکل میں موجود ہیں۔ ان مقدموں میں مولانا نے کتاب، اس کی اہمیت، اس کے خصائص، مولف کا تعارف، اور دوسری اہم باتیں تحریر کی ہیں۔ ان میں کچھ مقدمے متعلقہ مختلف کتب و شروح احادیث کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔ جو مقدمے نہیں چھپے ان میں طحاوی، ترمذی، شمائل ترمذی، نسائی کا مقدمہ ہے۔[٦٥]

(١٤) ملتقط الرواة عن المرقات. غير مطبوعه

یہ کتاب ملا علی قاری کی مرقات شرح مشکوۃ کے مختلف راویوں کے بیان میں ہے۔ اس میں مولف نے ان راویوں کی ایک فہرست دی ہے۔ جن کے تراجم و تعارف ملا علی قاری نے ذکر کیے ہیں۔ ساتھ ہی صفحہ اور جزء کی تعیین کردی ہے۔ اس کتاب نے مرقات سے استفادہ کو آسان کردیا ہے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۵) ملتقط المرقات۔ غیر مطبوعہ

یہ کتاب مرقات شرح مشکوۃ کے بعض موضوعات کی تلخیص ہے۔ اس میں مرقات المصابیح کے حوالے سے بعض علمی باتیں اور فنی ریمارکس ذکر کیے گئے ہیں۔[٦٦]

(۱٦) معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذھبی۔ غیر مطبوعہ

علامہ ذہبی کی تذکرت الحفاظ چار جلدوں میں ہے۔ ہر جلد کے آخر میں ایک فہرست ہے۔ جو راویوں کے اسماء، ان کی کنیتوں، ان کے القاب، اور انساب پر مشتمل ہے، یہ فہرست حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے ہے، چنانچہ مولف نے ان تمام راویوں کی ایک جلد میں ایسی فہرست تیار کی جو لقب، نسبت کے بجائے راویوں کے اسماء پر مشتمل ہو اور راویوں کے نام حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے ذکر کیے تا کہ استفادہ آسان ہو۔[٦٧]

حوالہ جات

۱ الشارق، سہ ماہی: مدیر تقی الدین ندوی، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۶۰ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ
۲ نفس مصدر: ص: ۶۱
۳ نفس مصدر: ص: ۶۱
۴ نفس مصدر: ص: ۶۲
۵ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب التہجد، ج: ۱
۶ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی: محمد یوسف متالا، ج: ۱، ص: ۵۵۔۵۴
مطبوعہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور، ۲۰۰۸ء
۷ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الاذان، ج: ۱
۸ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۵۶۔۱۵۵
۹ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب التہجد، ج: ۱
۱۰ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۵۷۔۱۵۶
۱۱ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الجنائز، ج: ۱
۱۲ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۵۸۔۱۵۷
۱۳ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الصوم، ج: ۱
۱۴ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۵۸
۱۵ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الزکوٰۃ، ج: ۱
۱۶ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۵۹
۱۷ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الزکوٰۃ، ج: ۱
۱۸ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۶۰۔۱۵۹
۱۹ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الوکالۃ، ج: ۱
۲۰ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج: ۱، ص: ۱۶۱
۲۱ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب فی اللقطۃ، ج: ۱

۲۲۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۶۲۔۱۶۱
۲۳۔ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب اللقطۃ، ج:۱
۲۴۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۱۶۲
۲۵۔ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب المظالم، ج:۱
۲۶۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۱۶۲
۲۷۔ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الجہاد والسیر، ج:۲
۲۸۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۶۴۔۱۶۳
۲۹۔ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب المناقب، ج:۲
۳۰۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۱۶۵
۳۱۔ الجامع الصحیح للبخاری: کتاب المناقب، ج:۲
۳۲۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا: ج:۱، ص:۱۶۵
۳۳۔ فہرست تالیفات شیخ زکریا: ج:۱، ص:۸۲
۳۴۔ نفس مصدر: ص:۵۰
۳۵۔ مقدمہ اوجز المسالک: ج:۱، ص:۱۵
۳۶۔ مقدمہ اوجز المسالک: ج:۱، ص:۵۲۔۵۱ ملخصاً
۳۷۔ اوجز المسالک: ملاحظہ کیجیے، مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ، مظاہر العلوم سہارنپور
۳۸۔ لامع الدراری: ملاحظہ کیجیں مطبوعہ المکتبۃ الیحیویہ، مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳۷۹ھ
۳۹۔ آپ بیتی نمبر۲: شیخ زکریا ص:۱۷۹، کتب خانہ یحیوی سہارنپور، ترتیب جدید عبداللہ معروفی
۴۰۔ نفس مصدر: ص:۱۸۹
۴۱۔ نفس مصدر: ص:۹۲۔۱۹۱
۴۲۔ فہرست تالیفات شیخ: ج:۱، ص:۲۰۹
۴۳۔ آپ بیتی نمبر۲: ص:۱۶۴
۴۴۔ نفس مصدر: ص:۱۶۵

۴۵ نفس مصدر: ص:۱۹۱

۴۶ نفس مصدر: ص:۱۸۱

۴۷ نفس مصدر: ص:۱۸۰

۴۸ نفس مصدر: ص:۱۸۸

۴۹ نفس مصدر: ص:۱۸۷

۵۰ نفس مصدر: ص:۱۸۸

۵۱ نفس مصدر: ص:۱۸۱

۵۲ نفس مصدر: ص:۱۸۷

۵۳ فہرست تالیفات شیخ: ج:۱، ۲۴۹

۵۴ آپ بیتی نمبر۲: ص:۱۸۸

۵۵ نفس مصدر: ص:۱۸۷

۵۶ نفس مصدر: ص:۱۸۲

۵۷ نفس مصدر: ص:۱۸۰

۵۸ نفس مصدر: ص:۱۸۵

۵۹ فہرست تالیفات شیخ: ج:۲، ص:۲۶

۶۰ نفس مصدر: ج:۲،ص:۴۲

۶۱ آپ بیتی نمبر۲: ص:۱۶۵

۶۲ نفس مصدر: ص:۱۸۹

۶۳ نفس مصدر: ص:۱۸۶

۶۴ نفس مصدر: ص:۱۹۲

۶۵ نفس مصدر: ص:۱۷۶

۶۶ نفس مصدر: ص:۱۸۶

۶۷ نفس مصدر: ص:۱۹۱

باب سوم

فضائل اعمال
ایک مطالعہ

فصل اول

اسباب تالیف ومنہج تالیف فضائلِ اعمال

تبلیغی جماعت کے قیام کے بعد تبلیغی نصاب کے طور پر مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) کی بعض کتابیں مثلاً بہشتی زیور، وغیرہ مبلغین کے داخل درس وتدریس رہا کرتی تھیں۔[۱] لیکن مولانا محمد الیاس صاحب کی خواہش تھی کہ جماعت کے لیے نصاب کے طور پر کوئی مستقل کتاب داخل درس وتدریس کردی جائے اوراس مقصد کے لیےان کی خواہش تھی کہ ایک مستقل کتاب تصنیف کردی جائے۔[۲] چنانچہ اس کے لیے انھوں نے سب سے پہلے اپنے بھتیجے مولانا محمد زکریا کو ایک ایسی کتاب کی تالیف کرنے کا حکم دیا جو جماعت کے مبلغین کے لیے نصاب کے طور پر داخل کی جاسکے، چنانچہ مولانا محمد زکریا نے فضائل صلوٰۃ، فضائل ذکر، فضائل تبلیغ، فضائل رمضان اور فضائل صدقات سے متعلق کتابیں لکھیں اور پھر بعد میں اپنے چچا زاد بھائی مولانا محمد یوسف صاحب کی خواہش پر فضائل حج تحریر کیا۔ اس کے بعد اپنے شیخ طریقت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے حکم پر پہلے لکھی ہوئی تحریروں مثلاً حکایات صحابہ وغیرہ اور حافظ محمد الیاس نگینوی کے حکم سے لکھی گئی تحریروں مثلاً فضائل قرآن اور درود وسلام کی فضیلت کو یکجا کردیا اور اسی مجموعہ کا نام تبلیغی نصاب رکھ دیا یہی کتاب فضائل اعمال کے نام سے بھی مشہور ہوئی۔[۳]

فضائل اعمال کی تالیف میں مصنف کا منہج:

یہ کتاب چوں کہ فضائل اعمال سے متعلق ہے اس لیے مصنف نے ہر باب میں سب سے پہلے باب سے متعلق قرآنی آیتوں کا ذکر کیا ہے اور پھر مفصل شرح کے ساتھ ان آیتوں کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد زیر بحث باب سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں اور ان کی مفصل تشریح کی ہے۔ شرح احادیث کے بعد آثار صحابہ وتابعین، مشائخ صوفیہ کے اقوال اور ان کے حیرت انگیز واقعات ذکر کیے ہیں، عمومی طور پر

فضائل کے باب میں مصنف کا منہج تحریر یہی ہے ہاں کبھی کبھی قرآنی آیات پر احادیث کے ذکر کو مقدم بھی کیا ہے۔ فضائل الصلوٰۃ، فضائل القرآن اور فضائل رمضان میں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔[۴] اور کبھی کبھی احادیث طیبہ پر صوفیا کے اقوال کو بھی مقدم کیا ہے جیسا کہ فضائل صلوٰۃ میں اس کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کا خاصا بڑا حصہ ضعیف اور بعض موضوع احادیث، صوفیا کے شطحات، مراقبہ قبور اور دوسرے عجیب وغریب حکایات پر مشتمل ہے۔[۵] لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں کا اکثر حصہ فضائل اعمال کے اردو نسخے میں ہی ملتا ہے اس کے عربی مترجم نسخے میں اس طرح کی باتیں عموماً ذکر نہیں کی گئی ہیں۔[۶] اردو کے مروج نسخے میں متعلقہ احادیث کی صحت وضعف اور وضع سے متعلق احکام عربی زبان میں ذکر کیے گئے ہیں لیکن اردو میں ان کا ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ اس کے سامنے احادیث کے بعض فوائد ذکر کردیئے گئے ہیں۔ ان احادیث کے ذریعہ باب سے متعلق موضوع پر استدلال کیا گیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ متن حدیث عربی میں یا اردو میں ذکر کرتے ہیں لیکن درجہ حدیث سے متعلق احکام بالکل ہی ذکر نہیں کرتے ہیں جب کہ بعض احادیث ضعیف وغیرہ بھی ہوا کرتی ہیں اس کی تفصیل فصل چہارم میں آئے گی۔

فصل دوم

فضائل اعمال: مختصر تعارف

اس کتاب کے مصنف مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا شمار ہندوستان کے مشہور ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث، محدث کبیر، ریحانۃ الہند، برکۃ العصر، قطب الاقطاب اور عارف کبیر آپ کے مشہور القاب ہیں یہ کتاب تبلیغی نصاب کے نام سے بھی مشہور ہے۔

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد مندرجہ ذیل اقسام پر مشتمل ہے

(۱) حکایات الصحابہ (۲) فضائل الصلوٰۃ

(۳) فضائل التبلیغ (۴) فضائل الذکر

(۵) فضائل القرآن (۶) فضائل رمضان

(۷) فضائل الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل رمضان اور فضائل الصلوٰۃ والسلام کے مابین ایک مختصر رسالہ مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی کی تصنیف ہے۔ جو ''مسلمانوں کی موجودہ پستی اوران کا علاج'' کے نام سے موسوم ہے۔

دوسری جلد بھی چند اقسام پر مشتمل ہے۔ (۱) فضائل الصدقات (۲) فضائل الحج۔

پہلی جلد میں حکایات صحابہ بارہ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

پہلا باب : دین کی سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف ومشقات کا جھیلنا۔

دوسرا باب: اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا خوف اور ڈر۔

تیسرا باب : صحابہ کرام کے زہد وفقر کے بیان میں۔

چوتھا باب: صحابہ کرام کے تقویٰ کے بیان میں۔

پانچواں باب: نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع وخضوع۔

چھٹا باب : ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ساتواں باب: بہادری، دلیری اور موت کا شوق۔

آٹھواں باب: علمی ولولہ اور اس میں انہماک۔

نواں باب: حضور کی فرماں برداری اور امتثال حکم اور یہ دیکھنا کہ حضور کا منشا کیا ہے۔

دسواں باب: عورتوں کا دینی جذبہ اور تسبیحات حضرت فاطمہ۔

گیارھواں باب: بچوں کا دینی جذبہ۔

بارھواں باب: حضور اکرم ﷺ کی محبت کے واقعات میں۔

خاتمہ: صحابہ کرام کے حقوق اور ان کے مختصر فضائل میں۔

فضائلِ نماز ایک تمہید تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

پہلا باب: نماز کی اہمیت کے بیان میں۔ **دوسرا باب:** جماعت کے بیان میں۔ **تیسرا باب:** خشوع وخضوع کے بیان میں اور پھر خاتمہ۔

فضائل تبلیغ ایک تمہید اور سات فصلوں پر مشتمل ہے۔ **فصل اول:** آیات قرآنی اور تاکید امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ **فصل دوم:** احادیث نبوی اور تاکید امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ **فصل سوم:** تنبیہ برائے اصلاح نفس۔ **فصل چہارم:** فضائل اکرام مسلم ووعید تحقیر مسلم۔ **فصل پنجم:** اخلاق وایمان واحتساب۔ **فصل ششم:** تعظیم علمائے کرام وبزرگان دین۔ **فصل ہفتم:** اہل حق کی پہچان اور ان کی مجالست کی اہمیت۔

فضائل ذکر: اس میں تین ابواب اور ایک خاتمہ ہے:

پہلا باب: فضائل ذکر۔ **دوسرا باب:** کلمہ طیبہ۔ **تیسرا باب:** کلمہ سوم کے فضائل۔ **خاتمہ**۔ صلوٰۃ التسبیح

فضائل قرآن مجید: یہ قسم غیر مبوب ہے۔ فضائل قرآن مجید کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی گئی ہیں آخر میں ایک خاتمہ اور ایک تکملہ ہے۔

فضائل رمضان: اس قسم میں تین فصلیں ہیں: پہلی فصل رمضان المبارک کے فضائل میں۔ دوسری

فصل: شب قدر کے بیان میں۔تیسری فصل: اعتکاف کے بیان میں۔

فضائل درود شریف: اس میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل درود شریف کے فضائل میں۔ دوسری فصل خاص درود کے فضائل میں۔تیسری فصل ان احادیث کے بیان میں جن میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھنے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ چوتھی فصل: فوائد متفرقہ کے بیان میں۔ پانچویں فصل درود شریف کے متعلق حکایات میں۔

فضائل اعمال کی دوسری جلد میں فضائل صدقات کا حصہ ایک مقدمہ اور سات فصلوں پر مشتمل ہے۔پہلی فصل مال خرچ کرنے کے فضائل میں۔دوسری فصل: بخل کی مذمت میں۔تیسری فصل صلہ رحمی۔ چوتھی فصل زکوٰۃ کی تاکید۔ پانچویں فصل زکوٰۃ نہ دینے کی وعید میں۔چھٹی فصل: زہد وقناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب میں۔ساتویں فصل زاہدوں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کی ستر حکایات۔

دوسری قسم فضائل حج، ایک تمہید اور دس فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل حج کی ترغیب میں۔ دوسری فصل حج نہ کرنے کی وعید میں۔تیسری فصل اس سفر میں مشقت کا تحمل، چوتھی فصل، حج کی حقیقت میں۔ پانچویں فصل: حج کے آداب میں۔ چوتھی فصل زیارت مدینہ۔نویں فصل آداب زیارت۔ دسویں فصل مدینہ کے فضائل میں۔فضائل حج کی آٹھویں، نویں اور دسویں فصل میں زیارت قبر رسول کریم ﷺ کے تعلق سے ان کا موقف وہی ہے، جو جمہور علماء کا ہے کہ خاص قبر شریف کی زیارت کو اعظم القربات میں شمار کیا ہے۔اور اپنے مشائخ سے بھی اس پر اقوال نقل کیے ہیں۔ آداب زیارت کے سلسلے میں متقدمین ومتاخرین کی کتابوں کے حوالے کے ساتھ آداب زیارت تحریر کیے ہیں۔

اور اس کے متعلق دوسرے اہم مباحث کو سپرد قلم کیا ہے جو موجودہ زمانے میں اختلافی ہیں لیکن مولف کا موقف اس سلسلے میں وہی ہے جو عام علماء اہل سنت اور صوفیہ کا ہے۔ [ے]

حاصل یہ کہ مصنف نے اس کتاب کو صوفیا کے مشرب کے مطابق تحریر کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو مقبول عام بنانے کے لیے منامات کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مشائخ میں سے

ایک نے ۱/۸/۱۸۹۲ء میں ایک خواب دیکھا، اس مجلس میں مؤلف کھڑے تھے اور نبی اکرم ایک بلند جگہ پر تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے خوبصورت جلدوں میں چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں جن میں سب سے اوپر فضائل حج اور پھر اسی کے نیچے فضائل درود وسلام تھی اور اس کے نیچے حکایات صحابہ تھی اور پھر دوسری کتابیں۔ تھوڑی ہی دیر میں شیخ یوسف بنوری تشریف لے آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حضرات کی باتوں کو سن کر مسکراتے رہے۔

ان کے علاوہ اور دوسرے بزرگوں کے منامات بھی ذکر کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی یہ کتاب مشرب صوفیہ کے مطابق ہے۔ [۸]

فصل سوم

فضائل اعمال میں وارد بعض ضعیف وموضوع احادیث

(۱) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من جمع بین صلاتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر۔

اس حدیث کو حاکم نے حنش کے طریق سے روایت کیا ہے اور حنش کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں۔ اور حافظ نے کہا ہے کہ ہمیں پتا نہیں کہ حصین بن نمیر کے علاوہ کسی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔[9] امام ذہبی نے تصحیح وتضعیف دونوں کی ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابوعلی رجبی حسین بن قیس اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ دار قطنی نے ان کو متروک لکھا ہے۔ حافظ ابوالفضل مقدسی نے اس حدیث کو تذکرہ الموضوعات میں لکھا ہے۔ ابن الجوزی نے بھی اس حدیث کو الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔[10]

(۲) انّ من حافظ علی الصلاة اکرمه الله تعالی بخمس خصال ،یرفع عنه ضیق العیش وعذاب القبر ویعطیه الله کتابه بیمینه ویمر علی الصراط کالبرق ویدخل الجنة بغیر حساب۔

ومن تهاون عن الصلاة عاقبه الله تعالی بخمس عشرة عقوبة خمسة فی الدنیا وثلاثة عند الموت وثلاثة فی قبره وثلاثة عند خروجه من القبر۔

فاما اللواتی فی الدنیا فالاولی: تنزع البرکة من عمره، والثانیة: تمحی سیماء الصالحین من وجهه والثالثة: کل عمل یعمله لایاجره الله علیه والرابعة : لایرفع له دعاء الی السماء۔ والخامسة: لیس له حق فی دعاء

الصالحين۔

واما التی تصیبه عند الموت فانه یموت ذلیلا، والثانیة: یموت جوعا۔ الثالثة: یموت عطشانا ولو سقی بحار الدنیا ماروی عن عطشه واما التی تصبیه فی قبره فالاولی یضیق علیه القبر حتی تختلف اضلاعه۔ والثانیة یوقد علیه القبر ناراً فیتقلب علی الجمر لیلا ونهاراً۔ والثالثة: یسلط علیه فی قبره ثعبان اسمه الشجاع الاقرع، عیناه من نار واظفاره من حدید طول کل ظفر مسیرة یوم یکلم المیت فیقول : انا الشجاع الاقرع، وصوته مثل الرعد القاصف، یقول: امرنی ربی ان اضربك علی تضیع صلاة الصبح الی بعد طلوع الشمس، واضربك علی تضیع صلاة الظهر الی العصر، واضربك علی تضیع صلاة العصر الی المغرب واضربك علی تضیع صلاة المغرب الی العشاء واضربك علی تضیع صلاة العشاء الی الفجر۔ فکلما ضربه ضربة یغوص فی الارض سبعین ذراعا، فلایزال فی القبر معذبا الی یوم القیامة۔ واما التی تصیبه عن خروجه من القبر فی موقف القیامة فشدة الحساب۔ وسخط الرب ودخول النار۔

وفی روایة فانه یاتی یوم القیامة وعلی وجهه ثلاثة اسطر مکتوبات: السطر الاول: یا مضیع حق الله، السطر الثانی یامخصوصاً بغضب الله ۔ السطر الثالث: کماضیعت فی الدنیا حق الله فأیس الیوم انت من رحمة الله ۔

مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ابواللیث سمرقندی نے قرۃ العیون میں ذکر کیا ہے۔[11] اور شیخ نصر بن محمد سمرقندی کی تنبیہ الغافلین میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی ابن النجار تخریج کے بعد ذیل اللالئ میں اس حدیث کو امام سیوطی نے ذکر کیا ہے۔ میزان میں ہے: یہ حدیث باطل ہے۔ اسے محمد ابن علی ابن عباس علی ابوبکر ابن زیاد نیساپوری نے گڑھا ہے۔ اسے حافظ نے منبہات میں

حضرت ابوہریرہ کی روایت سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔[12]

(۳) روی انہ علیہ الصلاۃ والسلام قال: من ترک الصلاۃ حتی مضی وقتھا ثم قضی عذب فی النار حقبا۔

اس حدیث کو مصنف نے مجالس الابرار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی حقب سے متعلق شرح کو اس کے حوالے سے عربی میں ذکر کیا ہے۔ اور پھر بعد میں (قلت) کہہ کر لکھتے ہیں، جس کا اردو میں حاصل یہ ہے کہ میرے پاس موجود کتب حدیث میں اس حدیث کا کوئی پتا نہیں ہے۔ لیکن ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مجالس الابرار کی تعریف کی ہے۔[13]

(٤) عن ام رومان والدۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت: رانی ابوبکر الصدیق أتمیل فی صلاتی فزجرنی زجرۃ کدت انصرف من صلوتی، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اذا قام احدکم فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لایتمیّل کما تتمیّل الیھود فان سکون الاطراف فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ۔

اس حدیث کو حکیم ترمذی نے بطریق قاسم بن محمد عن اسما بنت ابی بکر عن ام رومان روایت کیا ہے۔ دارقطنی میں ایسا ہی ہے۔ سیوطی نے جامع صغیر میں، ابونعیم فی الحلیۃ اور ابن عدی فی الکامل کی جانب عزا کیا ہے اور اسے ضعیف لکھا ہے۔[14] البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے کیوں کہ یہ حدیث حکم بن عبداللہ بن سعد ایلی کے گرد گھومتی ہے۔ اور امام احمد نے ان کی تمام احادیث کو موضوع کہا ہے۔ امام ابن معین نے لکھا ''لیس بثقۃ۔ دارقطنی، نسائی اور ایک جماعت نے متروک الحدیث لکھا ہے۔ امام ابوحاتم نے کذاب کہا ہے۔[15]

(٥) عن انس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن عبد قال لاالہ الا اللہ فی ساعۃ من لیل و نہار الا طمست مافی الصحیفۃ من السیآت حتی تکتب مثلھا من الحسنات۔

اس حدیث کوابویعلی نے روایت کیا ہے ایسا ہی ترغیب میں ہے۔ اور مجمع الزوائد میں ہے۔اس میں ایک راوی عثمان بن عبدالرحمٰن زہری ہیں وہ متروک ہیں۔ [۱۶]

(٦) عن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم 'لمااذنب آدم الذنب الذی اذنبه رفع راسه الی السماء فقال: اسالك بحق محمد الاغفرت لی فاوحی الله الیه من محمد فقال تبارك اسمك لماخلقتنی رفعت راسی الی عرشك فاذا فیه مکتوب لااله الا الله محمدرسول الله فعلمت انه لیس احد اعظم عندك قدرا عمن جعلت اسمه مع اسمك فاوحی الله الیه یاآدم انه آخر النبیین من ذریتك ولولاهو ماخلقتك۔

اس حدیث کوطبرانی نے صغیر میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے اور بیہقی نے دلائل میں اور ابن عساکر نے 'در' میں روایت کیا ہے۔اور مجمع الزوائد میں ہے: اس کوطبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں کچھ غیر معروف راوی ہیں مولانا زکریا صاحب اسی کتاب میں لکھتے ہیں: اس حدیث کی تائید لولاك لما خلقت الافلاك سے ہوتی ہے۔اس حدیث کوملاعلی قاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے۔لیکن اس کے معانی کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے۔ [۱۷]

(٧) عن علی رضی الله عنه مرفوعاً من قال اذا مر بالمقابر السلام علی اهل لا اله الا الله من اهل لااله الا الله کیف وجد تم قول لااله الا الله، یالااله الا الله اغفرلمن قال لااله الا الله ، واحشرنا فی زمرة من قال لااله الا الله غفرله ذنوب خمسین سنة، قیل: یارسول الله، من لم تکن له ذنوب خمسین سنة قال: لوالدیه ولقرابته ولعامة المسلمین۔

اس حدیث کودیلمی نے تاریخ ہمدان میں اور رافعی اور ابن النجار نے روایت کیا ہے۔ایسا ہی منتخب کنزل العمال میں ہے۔اسی جیسی روایت امام سیوطی نے ذیل اللآلی میں روایت کیا ہے اور اس کی سند پر گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ الاسنادکلها ظلمات اوراسی حدیث کے رجال کی جانب کذب کی نسبت کی

ہے۔ اور تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے اور بعض صحابہ سے روایت ہے جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہا اور تعظیم کے ساتھ کھینچا تو اللہ تعالیٰ اس کے چار ہزار کبائر گناہوں کو معاف کر دے گا، کہا گیا اور اس کے گناہ چار ہزار نہ ہوں تو؟ تو فرمایا کہ اس کے اہل اور پڑوسیوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

مولانا زکریا لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے لیکن اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ جیسا کہ ذیل اللآلی میں ہے۔ البتہ اس حدیث کی صالح پڑوسی میت کے مدفون ہونے اور میت کو برے مردہ پڑوسی سے اذیت پہنچنے والی حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام سیوطی نے ذیل اللآلی میں مختلف طرق سے ذکر کیا ہے۔[۱۸]

(۸) عن عبدالله بن اوفى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال لااله الاالله وحده لاشريك له احداً صمداً لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد، كتب الله له الفى الف حسنة ۔

اس حدیث کو طبرانی نے ایسا ہی ترغیب میں روایت کیا ہے۔ اور مجمع الزوائد میں بھی ہے۔ اس حدیث میں فائد ابوالورقاء ہیں یہ متروک ہیں۔[۱۹]

(۹) عن ابى الدرداء عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ليس من عبد يقول: لااله الا الله مائة مرة الا بعثه الله يوم القيامة ووجهه كالقمر ليلة البدر، ولم يرفع لأحد يومئذ عمل افضل من عمله الا من قال مثل قوله اوزاد.

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس میں عبدالوہاب بن ضحاک متروک ہیں۔ ایسا ہی مجمع الزوائد میں ہے۔

مولانا زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ابن ماجہ کے راویوں میں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے لیکن آنے والی ام ہانی کی حدیث ان کی شاہد ہے۔[۲۰]

عن ام هانى قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا اله الا الله لايسبقها عمل ولاتترك ذنبا.

اس حدیث کی تخریج امام حاکم نے کی ہے۔اوراس کی تصحیح کی ہےاوران کے الفاظ یہ ہیں:"لاالـه الا الـلـه لايترك ذنبا ولا يسبقها عمل " امام حاکم پرامام ذہبی نےتعقب کیا ہےاور کہا ہے کہ زکریا راوی ضعیف ہیں۔ام ہانی اور محمد کے مابین سقوط راوی بھی ہے یہ حدیث ابن ماجہ کی روایت سے جامع صغیر میں مذکور ہے۔اوراس کی تضعیف بھی مرقوم ہے۔[۲۱]

(۱۰) عـن ابـن عبـاس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: افتحوا على صبيانكم اول كـلـمة بـلااله الا الله، ولقنوهم عند الموت لااله الا الله فانه من كان اول كـلامـه لااله الا الله وآخر كلامه لااله الا الله ثم عاش الف سنة لم يسئل عن ذنب واحد.

یہ حدیث موضوع ہے ابن محمویہ اوراس کے باپ مجہول ہیں اور بخاری نے ابراہیم بن مہاجر کی تضعیف کی ہے۔[۲۲]

(۱۱) روى عـن ابـى جعفر محمد بن على، عن ابيه عن جده، قال: قال رسول الله صـلـى الـلـه عليه وسلم مامن عبد ولاامة يضعن بنفقة ينفقها فيمايرضى الله الا انـفـق اضعافها فيما يسخط الله. ومامن عبد يدع الحجّ لحاجة من حوائج الـدنيـا الاراى الـمـحـلـقيـن قبل ان تقضى تلك الحاجة يعنى حجة الاسلام، ومـامـن عبـد يدع المشى فى حاجة اخيه المسلم قضيت او لم تقض الا ابتلى بمعونة من يأثم عليه ولايوجر فيه.

اس حدیث کواصبہانی نے روایت کیا ہے۔ اس میں نکارت ہے۔ ایسا ہی منذری کی ترغیب و ترہیب میں ہے۔اس کومجمع الزوائد میں طبرانی کبیر کی روایت عن ابی جحیفہ سے روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عبید بن القاسم اسدی ہیں وہ متروک ہیں۔مولانا زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ابن ماجہ کے راویوں میں ہیں اوراس کوصاحب الکنز نے بھی ذکر کیا ہے۔[۲۳]

(۱۲) عـن رجـل مـن آل الـخـطـاب عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من زارنى

متعمداً كان فی جواری یوم القيامة ومن سكن المدينة وصبر علی بلائها كنت له شهيداً وشفيعاً يوم القيامة ومن مات فی احد الحرمين بعثه الله من الآمنين۔

اس حدیث کو بیہقی نے شعب میں اور اتحاف میں بروایت طیالسی ابن عمر عن عمران کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ آل خطاب میں سے ایک شخص نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔[۴] *بیہقی نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے اور مذکورہ شخص مجہول ہے۔*[۲۴]

فصل چهارم

چند ضعیف و موضوع احادیث جن کی استنادی حیثیت پر مصنف نے کوئی گفتگو نہیں کی نہ عربی میں اور نہ اردو میں

(۱) عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائيا ابلغته۔ رواه البيهقی فی شعب الايمان كذا فی المشكوٰة وبسط السخاوی فی تخريجه۔ [۲۵]

عقیلی کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ابن الجوزی نے کہا صحیح نہیں ہے۔ البانی نے کہا کہ موضوع ہے۔ [۲۶]

(۲) عن انس عن النبی صلی الله عليه وسلم قال من صلی فی مسجدی اربعين صلاة لاتفوته صلاة كتب له براءة من النار وبراءة من العذاب وبری من النفاق۔

اس حدیث کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں کی ہے[۲۷] البانی کہتے ہیں کہ منکر ہے[۲۸]

(۳) عن انس بن مالك قال: قال رسول الله صلی عليه وسلم صلاة الرجل فی بيته بصلاة وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه خمس مائة صلاة وصلاته فی المسجد الاقصی بخمسين الف صلاة وصلاته فی مسجدی بخمسين الف صلاة وصلاته فی المسجد الحرام بمائة الف صلاة۔

اس حدیث کی تخریج ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے[۲۹]

(٤) عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني في المدينة محتسباً كان في جواري وكنت له شفيعا يوم القيامة۔

اسے زبیدی نے اتحاف السادة المتقین میں ذکر کیا ہے، اس کی سند میں سلیمان ہیں، ان کو ابن حبان اور دارقطنی نے ضعیف لکھا ہے۔[۳۰]

(٥) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

اس کی تخریج دارقطنی نے سند ضعیف کے ساتھ کی ہے۔[۳۱] البانی نے کہا ہے کہ منکر ہے۔[۳۲]

وہ ضعیف وموضوع احادیث جن کا مصنف نے صرف اردو میں ترجمہ دیا ہے عربی نص ذکر نہیں کی، اور نہ حکم حدیث بیان کیا ہے:

(۱) ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو۔ اس میں دس فائدے ہیں۔ (۱) منہ کو صاف کرتی ہے۔ (۲) اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (۳) شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ (۵) فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ (۶) مسوڑوں کو قوت دیتی ہے۔ (۷) بلغم کو قطع کرتی ہے۔ (۸) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ (۹) صفراء کو دور کرتی ہے۔ (۱۰) نگاہ کو تیز کرتی ہے۔

دارقطنی نے سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔[۳۳] اس میں معلیٰ بن میمون ہیں، ابن الجوزی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں معلیٰ بن میمون ضعیف ہیں، ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث منکر اور غیر محفوظ ہوتی ہے۔[۳۴]

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جگر گوشہ ابراہیم کے بارے میں فرمایا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔[۳۵]

امام سخاوی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ البانی کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔[۳۶]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کے لیے اپنی کمر اور پیٹ کو ہلکا رکھا کرو۔[۳۷]

یہ حدیث امام سیوطی کی جامع صغیر میں مذکور لمبی حدیث کا حصہ ہے انھوں نے ضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۳۸] البانی کے نزدیک موضوع ہے۔[۳۹] ابونعیم نے حلیہ میں اس کی تخریج کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ غریب من حديث سعر، تفرد به اسماعيل[۴۰]

(٤) ابواللیث سمرقندی نے قرۃ العیون کا ارشاد نقل کیا ہے جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔[۴۱]

اس حدیث کی روایت اس نص کے ساتھ کتب حدیث میں مذکور نہیں ہے۔[۴۲]

درج بالا احادیث کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں بہت سی ضعیف وموضوع روایتوں کو بھی ذکر کیا ہے۔ موضوع احادیث تو کسی بھی طرح کسی بھی حال میں نہ احکام کے باب میں اور نہ فضائل کے باب میں کسی میں بھی قابل استناد نہیں ہیں۔ البتہ ضعیف احادیث کے سلسلے میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف احادیث مقبول ہیں علمائے اہل حدیث اور خصوصاً عصر حاضر کے علماء اہل حدیث کسی بھی طرح کی ضعیف احادیث سے کسی بھی باب میں استدلال کے قائل نہیں ہیں اگر چہ وہ ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو جب کہ عام اہل علم کے نزدیک اگر ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتو حدیث درجہ حسن لغیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بہر حال مسئلہ اختلافی ہونے کی وجہ سے مصنف نے جمہور کے موقف کے مطابق ضعیف احادیث سے فضائل کے باب میں استدلال کرلیا ہے البتہ وہ احادیث جن کو محدثین نے موضوع کہا ہے تو شاید ان سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ نصاب میں مذکور کوئی بھی موضوع حدیث محدثین وناقدین حدیث کے نزدیک متفقہ طور پر موضوع نہیں ہے بلکہ بعض نے موضوع کہا تو بعض نے ضعیف اور دوسری بات یہ کہ مذکورہ موضوع احادیث من جمیع طرق موضوع نہیں ہیں بلکہ بعض طرق سے موضوع اور بعض طرق سے ضعیف ہیں شاید مصنف نے بعض ضعیف طرق کا لحاظ کرتے ہوئے فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کے متعلق جمہور کے موقف کے پیش نظر تساہل سے کام کیا ہے۔

☆☆☆

مصادر و مراجع

۱۔ جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات: مولانا محمد شاہد ص:۸۳

۲۔ مولانا محمد الیاس کے خطوط: ص:۹۲، فضائل اعمال کے مقدمہ میں بھی انھیں حوالوں کا ذکر ہے

۳۔ مقدمہ فضائل اعمال: مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مطبع جواد بک ڈپو، ۴۲۲ مٹیا محل، دہلی، ۱۹۹۷ء

۴۔ نفس مصدر: فضائل نماز، ص:۵، فضائل قران، فضائل رمضان

۵۔ نفس مصدر: ج: اول ودوم

۶۔ مقدمہ تبلیغی نصاب (عربی): مترجم مولانا ابوالحسن ندوی، ص:۹

۷۔ فضائل اعمال: مکمل ملاحظہ کیجیے۔

۸۔ بہجۃ القلوب: ص:۱۶، بحوالہ فضائل اعمال

۹۔ فضائل اعمال: اول فضائل نماز، ص:۲۸

۱۰۔ مستدرک حاکم: ج:۱، ص:۲۷۵، سنن ترمذی ۱/۳۵۶/۳۹۵، تذکرہ الموضوعات، ص:۱۱۵

۱۱۔ فضائل اعمال: اول فضائل نماز، ص:۳۰

۱۲۔ قرۃ العیون: ابو اللیث سمرقندی، ص:۴۔۲ تنبیہ الغافلین، ج:۱، ص:۱۔۳۰۰،
میزان الاعتدال، ج:۳، ص:۶۵۳

۱۳۔ فضائل اعمال: اول فضائل نماز، ص:۳۸

۱۴۔ نفس مصدر: ص:۱۷

۱۵۔ الجامع الصغیر: ج:۱، ص:۲۷، الدر المنثور، ج:۵، ص:۳، ضعیف الجامع الصغیر، ج:۱، ص:۸۸
میزان الاعتدال، ج:۱، ص:۵۷۲، الضعفاء والمتر وکون، ص:۱۸۰، الجرح والتعدیل، ج:۳، ص:۱۲۱

۱۶۔ فضائل اعمال: اول، فضائل ذکر، ص:۹۷، الترغیب للمنذری ج:۲، ص:۲۹۳، مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۸۲

۱۷۔ فضائل ذکر، ص:۹۸، المعجم الصغیر، ج:۲، ص:۸۲، المستدرک، ج:۲، ص:۶۱۵، دلائل النبوۃ
ج:۵، ص:۴۸۹، مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۲۵۳

۱۸۔ نفس مصدر: فضائل ذکر، ۱۰۵ ذیل اللآلی ص:۱۵۷، تنبیہ الغافلین، ج:۲، ص:۴۵۳

۱۹۔ نفس مصدر: ص:۱۰۸، الترغیب للمنذری، ج:۲، ص:۲۴۲، مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۸۵

۲۰۔ نفس مصدر: ص:۱۱۰

۲۱ نفس مصدر: فضائل درود، ص:۱۱۳، الجامع الصغیر، ج:۲،ص:۱۷۱، المستدرک، ج:۱،ص:۵۱۴

۲۲ نفس مصدر: فضائل ذکر، ص:۱۱۰

۲۳ نفس مصدر دوم: فضائل حج، ص:۳۲، مطبوعہ اصلاح کتب خانہ دہلی، الترغیب، ج:۱،ص:۴۴۶، الترغیب ج:۲،ص:۱۱۰، مجمع الزوائد، ج:۳،ص:۲۰۷

۲۴ نفس مصدر: ص:۹۷، شعب الایمان، ج:۳،ص:۴۸۸، مسند ابوداؤد الطیالسی، ج:۱۲،ص:۱۱۰

۲۵ نفس مصدر: اول، فضائل درود، ص:۱۸

۲۶ الضعفا والمتروکون: ج:۴،ص:۳۷۔۱۳۶، الموضوعات، ج:۱،ص:۲۰۳، سلسلۃ احادیث الضعیفہ، ج:۱،ص:۳۳۶

۲۷ فضائل اعمال: دوم، فضائل حج، ص:۱۵۷

۲۸ سلسلۃ احادیث الضعیفۃ: ج:۱،ص:۵۴۰

۲۹ فضائل اعمال: دوم، فضائل حج، ص:۸۲، ابن ماجہ، ج:۱،ص:۴۵۳

۳۰ نفس مصدر: ص:۹۸

۳۱ نفس مصدر: ص:۹۶

۳۲ سلسلۃ احادیث الضعیفۃ، ج:۱،ص:۱۲۰

۳۳ فضائل اعمال: اول، فضائل نماز، ص:۸، العلل المتناہیۃ، ج:۱،ص:۳۳۵

۳۴ سنن دارقطنی: ج:۱،ص:۵۸

۳۵ فضائل اعمال: دوم: فضائل حج، ص:۱۲۱

۳۶ سلسلۃ احادیث الضعیفہ: ج:۱،ص:۳۸۸

۳۷ فضائل اعمال: اول، فضائل نماز، ص:۶۷

۳۸ الجامع الصغیر: دوم، ص:۴

۳۹ ضعیف الجامع الصغیر: ص:۴۱۷

۴۰ الحلیۃ الاولیاء: ج:۷،ص:۲۰۰

۴۱ فضائل اعمال: اول، فضائل نماز، ص:۳۹

۴۲ قرۃ العیون: ص:۱۵۳

باب چہارم

لامع الدراری
ایک مطالعہ

فصل اول

مقدمہ لامع الدراری ایک مطالعہ

مولانا محمد زکریا کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جب بھی کسی کتاب کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کی کوشش یہی رہی کہ اصل کتاب کی شرح سے پہلے ایک جامع علمی مقدمہ لکھ دیا جائے جو محققین، علماء اور طلبا کے لیے بصیرت افروزی کا باعث ہو۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اسی منہج کو بخاری شریف کی شرح میں بھی باقی رکھا ہے اور بڑے سائز کے ایک سو باون صفحات پر مشتمل ایک شاندار علمی مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے مختلف موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ اس مقدمے کو پڑھ کر مصنف کی وسعت علمی، ژرف نگاری اور علم حدیث میں ان کی مہارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مصنف نے مقدمے کا آغاز ایک تمہیدی گفتگو سے کیا ہے جس میں انھوں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو معزز القاب و آداب سے یاد کرنے کے بعد ان کے علم وفضل اور علم حدیث سے ان کے لگاؤ کا تذکرہ کیا ہے پھر اس کے بعد اپنے والد مولانا یحییٰ کاندھلوی اور اپنے شیخ ومرشد مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے علم فضل اور علم حدیث سے ان کے قلبی تعلق کا تذکرہ کیا ہے اور پھر مولانا رشید احمد گنگوہی جو اجازت نامہ اپنے فارغ ہونے والے علم حدیث کے طلبا کو دیا کرتے تھے اس کا متن ذکر کیا ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بیماری کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف بخاری شریف کی اسی مختصر تعلیق کا تذکرہ کیا ہے جس کو ان کے والد مولانا یحییٰ کاندھلوی نے قلم بند کیا ہے اس کے بعد انھوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی املا کردہ تعلیقات کی طباعت کا مطالبہ بڑھتا گیا۔ مطالبہ کرنے والوں میں خصوصیت کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ شامل تھے لیکن اس دوران مصنف چوں کہ موطأ امام مالک کی مفصل شرح کی تکمیل میں لگے تھے اس لیے اس کام کو مکمل نہیں کر سکے اور اسی دوران مولانا حسین

احمد مدنیؒ کا انتقال بھی ہوگیا۔ بہر حال شرح موطأ سے ۱۳۷۹ء میں فراغت کے بعد انھوں نے اس تعلیق بخاری پر نظر ثانی کی اور لامع الدراری کے نام سے تعلیق بخاری کی اشاعت ہوگئی۔[۱]

یہ مقدمہ چند فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل دس فائدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل حالات مصنف یعنی امام بخاری کے احوال وکوائف پر مشتمل ہے اور اسی فصل میں:

پہلا فائدہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اور نسب سے متعلق ہے۔

دوسرا فائدہ ان کی ولادت اور وفات سے متعلق ہے۔

تیسرا فائدہ ان کے حالات زندگی اور تاریخی کوائف پر مشتمل ہے۔

چوتھا فائدہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سے متعلق ہے۔

پانچواں فائدہ ان کے قوت حافظہ اور ان کی خداداد ذہانت سے متعلق ہے۔

چھٹا فائدہ ان کی سیرت اور ان کے مناقب وفضائل سے متعلق ہے۔

ساتواں فائدہ ان کی آزمائشوں اور ان کی ان تکالیف کے بیان پر مشتمل ہے جو ان کو جھیلنی پڑیں۔

آٹھواں فائدہ ان کے حاسدین اور ان تنقیدوں پر مشتمل ہے جو ان سے عداوت رکھنے والوں نے ان پر کی ہیں۔

نویں فائدے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

دسویں فائدے میں امام بخاری کی الجامع الصحیح کے علاوہ دیگر تالیفات وتصانیف سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔[۲]

دوسری فصل صحیح بخاری شریف سے متعلق ہے اور یہ فصل بھی چند فائدوں پر مشتمل ہے۔

پہلا فائدہ کتاب کے نام اور وجہ تالیف سے متعلق ہے اور مختلف علماء کے حوالے سے اس پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرے فائدے میں صحیح بخاری شریف کی فضیلت اور اسی کی مدح وخوبی سے متعلق علماء وفضلا ومحدثین کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے فائدے میں صحیح بخاری شریف کے موضوعات سے بحث کی گئی ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی اس صحیح کی تالیف سے منجملہ مقصود کیا تھا۔

چوتھے فائدے میں صحیح بخاری میں امام صاحب کی شرطوں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

پانچویں فائدے میں امام بخاری کی صحیح کی تراجم ابواب کے علاوہ خصوصیتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

چھٹے فائدے میں ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا اہتمام امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی تالیف کے وقت عظمت وتقدس کے پیش نظر کیا ہے مثلاً غسل ونماز وغیرہ۔

ساتویں فائدے میں صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

آٹھویں فائدے میں حدیث کی کتابوں اور اس کے مراتب سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور دیگر کتب حدیث کے مابین امام بخاری کی صحیح کے قدر ومنزلت کو واضح کیا گیا ہے۔

نویں فائدے میں صحیح بخاری کی نوعیت کی تعین کی گئی ہے اور کتب حدیث کی مختلف انواع واقسام پر گفتگو کی گئی ہے۔

دسویں فائدے میں صحیح بخاری شریف کے مختلف نسخوں اور اس کے راویوں کو بیان کیا گیا ہے اور اسی سے متعلق مؤلف مقدمہ کی اپنی سندوں کو بیان کیا گیا ہے۔

گیارہویں فائدے میں امام بخاری کی ان مرویات کا ذکر کیا گیا ہے جن پر ناقدین فن کی جانب سے تنقیدیں کی گئی ہیں۔

بارھویں فائدے میں ان راویوں سے بحث کی گئی ہے جن پر ناقدین فن نے جرح کی ہے۔

تیرھویں فائدے میں امام بخاری کی اپنی صحیح میں کتاب اور باب کے نام سے قائم کردہ عناوین سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور مختلف ابواب کے باہمی تعلق سے متعلق تفصیلی اور چشم کشا بحث کی گئی ہے۔[۳۳]

تیسری فصل میں تراجم ابواب بخاری سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ یہ فصل چند فائدوں پر مشتمل ہے۔

پہلے فائدے میں ان علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے تراجم ابواب بخاری پر مشتمل رسالے تصنیف کیے ہیں۔

دوسرے فائدے میں ان اصولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو علمائے حدیث نے بیان کیا ہے اور جس کا جاننا تراجم ابواب کو سمجھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

تیسرے فائدے میں ان اصول تراجم کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جن کو علمائے حدیث، شارحین، مشائخ، محدثین نے ذکر کیا ہے یا جو خود مصنف کو اپنے مطالعہ کی روشنی میں واضح ہوا ہے۔

چوتھے فائدے میں ان عام وجھوں کا بیان ہے جو ناسخین کی غلطی یا امام بخاری کے وہم یا کتاب کی عدم تبیض سے متعلق ہے اور جو مشائخ محدثین کی زبانوں پر شائع وذائع ہے۔[۴۲]

چوتھی فصل صحیح بخاری شریف کی شرحوں، اس پر لکھے گئے حاشیوں کے بیان میں ہے یہ فصل دو فائدوں پر مشتمل ہے۔

پہلے فائدے میں صحیح بخاری شریف کی پانچ مشہور ومتداول شرحوں کو بیان کیا گیا ہے اور ذکر کرتے وقت ان شرحوں کی شہرت کا لحاظ رکھا گیا ہے ان کی ترتیب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

دوسرے فائدے میں باقی تمام ان شرحوں اور تمام حواشی کا مختصراً تذکرہ کیا ہے جن پر مصنف کو اطلاع ہوسکی اور پھر صاحب تعلیق بخاری مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے احوال وکوائف کو ذکر کیا گیا ہے اور سب سے آخر میں تعلیق بخاری کے جامع مولانا یحییٰ کاندھلوی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی حالات زندگی تحریر کی گئی ہے۔ لامع الدراری کے مقدمے کا یہ ایک سرسری مطالعہ ہے جس میں صرف مقدمے کے مشمولہ مباحث کے عناوین سے واقفیت ہوجاتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ مقدمہ نگار نے کتنی محنت سے بکھرے ہوئے مباحث کو یکجا کر دیا ہے اور اپنی جانب سے کچھ افادات بھی تحریر کر دیئے ہیں جو یقیناً طالبین حدیث کے لیے بصیرت افروز ہیں۔

مقدمہ لامع الدراری کے بعض اہم مباحث ایک جائزہ

بخاری شریف کی شرح لامع الدراری کا مقدمہ نہایت اہم ہے۔ اس مقدمے میں کن مباحث کو زیر بحث لایا گیا ہے اس پر ایک سرسری گفتگو کی جاچکی ہے لیکن مقدمے میں بعض ایسے مباحث بھی ہیں جن کی گفتگو تفصیل کی متقاضی ہے اس لیے علیحدہ مقدمہ لامع الدراری کے بعض اہم علمی مباحث کا خلاصہ پیش

کیا جارہا ہے تاکہ کتاب کی اہمیت آشکار ہو اور مقدمہ کی قدر و منزلت سے لوگوں کو آشنائی ہو سکے۔

مقدمے کی دوسری فصل کا پانچواں فائدہ صحیح بخاری شریف کی خصوصیات سے متعلق ہے لیکن ان خصوصیات کا تعلق تراجم ابواب سے نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب کے علاوہ دوسری علمی خصوصیات کو اس فائدے میں بیان کیا گیا ہے۔

اس فائدے میں جن خصائص صحیح بخاری کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی مجموعی تعداد پندرہ ہے ان سارے خصائص کو مقدمہ نگار نے ''منہا'' کہہ کر بیان کیا ہے مثلاً (باب البول فی الماء الدائم میں) اس باب میں صحیح بخاری شریف کی پہلی خصوصیت تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس کتاب میں بسا اوقات بیچ کتاب میں تسمیہ ذکر کیا گیا ہے اور اسی کی وجہ یہ ہے کہ اس صحیح کی تالیف جب کسی وجہ سے ایک مدت کے لیے موقوف ہو جاتی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی دوبارہ تالیف کے آغاز کے وقت تسمیہ تحریر کرتے ہیں، اس کو باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ اور باب نظافۃ الید فی الصلوٰۃ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[۵]

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت سے مقام پر 'باسنادہ' کہہ کر ذکر کرتے ہیں اور اس جملے کو اسناد سے نہیں جوڑتے ہیں۔ ایسا بہت سے مقامات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[۶]

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں صیغۂ تمریض لا کر وارد روایت کے ضعف کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں اس کو بھی مختلف جگہوں پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف امراض اور مصیبتوں میں بخاری شریف کی تلاوت تریاق کا کام کرتی ہے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جب بھی امام بخاری قال فلاں کہتے ہیں تو مذاکرہ پر محمول ہے اس کو مثلاً باب فضل العلم میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اختلاف کی جگہوں میں امام بخاری صحابی یا تابعی کے قول کو اختیار کرتے ہیں اس کو باب من قال لامراتہ انت علیّ حرام میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اگر حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ وارد ہوتا ہے جو قرآن میں بھی وارد ہو چکا ہے تو امام بخاری اس سلسلے میں مفسرین کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔اس کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری بسا اوقات باب کی مناسبت میں قرآن کریم کی آیات ذکر کرتے ہیں اور بعض الفاظ کی تفسیر بھی ذکر کرتے ہیں اس کو بھی کتاب بدء الخلق اور کتاب التفسیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

نویں خصوصیت یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ۲۲ ثلاثی احادیث مروی ہیں اور اس نوع کی پہلی حدیث باب اثم من کذب علی النبی صلی الله علیه وسلم میں مذکور ہے۔

دسویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اپنی اس صحیح میں حدیث مکرر ذکر نہیں کریں گے۔

گیارھویں خصوصیت یہ ہے کہ بطور مکاتبت امام بخاری نے صرف ایک حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔

بارھویں خصویت یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث استخارے کے بعد ہی شامل کتاب کی گئی ہیں۔

تیرھویں خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طالما یشیر البخاری فی اول کل کتاب منه إلی زمان نزول ذلك الحکم ومبدأ شرعیته بنوع لطیف من الاشارات لاسیما اذا کان الامر مختلفا بینهم ؎

(ترجمہ:) بسا اوقات امام بخاری ہر کتاب کے شروع میں کسی خاص حکم کے زمانہ نزول اور اس کی مشروعیت کے آغاز کی جانب لطیف اشارہ کر دیتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب کہ مسئلہ علما کے مابین مختلف فیہ ہو۔

چودھویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری اکثر اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ہر کتاب کے آخر میں آخری حدیث میں ختمیت کی مناسبت سے کوئی بات ذکر کر دی جائے۔مثلاً بدء الوحی میں کہتے ہیں

فكان ذلك آخر شان هر قل اس نکتے کو دوسرے مقامات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

پندرھویں خصوصیت یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف کی آخری اور آخری ترجمہ اور ابتدائی کتاب اور ابتدائی ترجمہ باب میں باہم مناسبت پائی جاتی ہے۔ مثلاً حدیث نیت سے کتاب کا آغاز کیا جو دنیا سے متعلق تھا اور اعمال کے وزنی کیے جانے والی حدیث کو سب سے آخر میں ذکر کیا کیوں کہ یہ آخرت سے متعلق تھا اور دنیا پہلے ہوتی اور آخرت بعد میں۔ اس طرح کے نکتے اور دقت نظری سے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔[۸]

دوسری فصل کا نواں فائدہ اس بیان پر مشتمل ہے کہ صحیح بخاری شریف کا تعلق کتب حدیث کے انواع میں کس نوع کے ساتھ ہے۔ اس سلسلے میں گفتگو کرتے وقت مصنف نے انواع کتب حدیث پر بکھرے ہوئے سارے مباحث کو اکٹھا کر دیا اور یہ فائدہ مستقل رسالے کی شکل اختیار کر گیا ہے چنانچہ انھوں نے اسی فائدے میں سب سے پہلے جامع کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی تعریف ذکر کی ہے اور انواع کتب حدیث کے بیان میں مصنف نے ۱۲۷ انواع کا ذکر کیا ہے۔

ان میں پہلی نوع جامع ہے اور کسی بھی کتاب حدیث کو جامع کہلانے کے لیے آٹھ ابواب پر مشتمل ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) عقائد (۲) احکام

(۳) الرقاق (۴) آداب

(۵) تفسیر (۶) تاریخ

(۷) فتن (۸) مناقب

دوسری نوع کا نام سنن ہے اور یہ نوع احادیث احکام پر مشتمل ہوتی ہے۔

تیسری نوع مسند ہے اور یہ وہ نوع ہے جس میں احادیث صحابہ کرام کی ہجائی ترتیب کے مطابق ذکر کی جائیں۔

چوتھی قسم معاجم ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں احادیث کو شیوخ کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے۔

پانچویں قسم مستجاب ہے۔ یہ وہ قسم ہے جس میں ایک شیخ یا بہت سے شیوخ کی مروی احادیث کو جمع

کر دیا گیا ہو۔

چھٹی قسم اجزا اور رسائل ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں ایک شخص سے مروی احادیث کو جمع کر دیا گیا ہو وہ شخص صحابی ہو یا تابعی یا کوئی اور۔

ساتویں قسم اربعینات ہے۔

آٹھویں قسم کو افراد وغرائب کہا جاتا ہے اور یہ وہ قسم ہے جس میں ایسی احادیث شامل ہوں جو ایک شیخ کے پاس ہوں اور دوسروں کے پاس نہ ہوں۔

کتب حدیث کی اس نوع کو ذکر کرنے کے بعد مقدمہ نگار نے غریب الحدیث پر ایک علمی گفتگو کی ہے اور پھر آگے چل کر ایک تنبیہ ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن الاثر جزری نام کے تین بھائی ہیں اور تینوں کو اسی نام سے جانا جاتا ہے اور آپس میں اس لیے اشتباہ ہوتا ہے ان میں سب سے بڑے مجد الدین ابوالسعادات مبارک بن محمد بن محمد متولد ۵۴۴ھ متوفی ۶۰۶ھ۔ یہ تینوں میں سب سے مشہور ہیں یہی جامع الاصول اور النہایہ فی غریب الحدیث کے مصنف ہیں۔ دوسرے کا نام عزالدین ابوالحسن علی بن محمد متولد ۵۵۵ھ متوفی ۶۳۰ھ ہیں۔ یہ الکامل کے مصنف ہیں اور یہی اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ کے بھی منصف ہیں۔ تیسرے کا نام ضیاء الدین ابوالفتح نصر اللہ ہے ان کی ولادت ۵۵۸ھ میں اور وفات ۶۳۷ھ میں ہوئی یہ المثل السائر کے مصنف ہیں۔

اس کے بعد پھر سے انواع کتب حدیث پر گفتگو کی گئی ہے اور انواع کتب حدیث کی نویں قسم کو بیان کیا گیا ہے جسے مستدرک کہا جاتا ہے اور یہ اس نوع کو کہا جاتا ہے جس میں وہ احادیث مذکور ہوں جو کسی کتاب کے مصنف کے ذکر سے رہ گئی ہوں مثلاً المستدرک الصحیحین وغیرہ۔

دسویں قسم مستخرج ہے۔ اس نوع کا اطلاق ان کتب حدیث پر ہوتا ہے جس میں وہ احادیث جمع کی گئی ہوں جو دوسری کتاب کی احادیث کے اثبات کے لیے ہوں اور ان میں اس کتاب کی ترتیب اور اس کے متن اور طرق اسناد کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

گیارھویں قسم العلل ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں مذکورہ تمام احادیث یا تمام ابواب کے نام

طرق اور اختلاف روایات کو ذکر کیا گیا ہو۔

بارھویں قسم الاطراف ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں حدیث کے ابتدائی حصے کو اس کی تمام اسانید یا مخصوص کتابوں کے مذکورہ اسانید کو جمع کر دیا جائے۔

تیسرھویں قسم تراجم ہے۔

چودھویں قسم تعالیق ہے۔

پندرھویں قسم ترغیب وترہیب ہے۔

سولھویں قسم مسلسلات ہے۔

سترھویں قسم ثلاثیات ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں محدث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین صرف تین راوی ہو۔

اٹھارھویں قسم الامال ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں کسی عالم کی املا کردہ احادیث جمع ہوں۔

انیسویں قسم زوائد ہے۔

بیسویں قسم مختصرات ہے۔

اکیسویں قسم تخاریج ہے۔

بائیسویں قسم شرح الأ ثار ہے۔

تیئیسویں قسم الباب الحدیث ہے۔

چوبیسویں قسم الترتیب ہے۔

پچیسویں قسم تالیف علی حروف المعجم ہے۔

چھبیسویں قسم موضوعات ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں موضوع احادیث کو ذکر کیا گیا ہو۔

ستائیسویں قسم الادعیۃ الماثورۃ ہے۔ یہ وہ نوع ہے جس میں اللہ کے رسول سے معقول احادیث دعا کو جمع کر دیا گیا ہو۔[۹]

اس فائدے میں مصنف نے نہایت جامعیت کے ساتھ انواع کتب حدیث پر گفتگو کی ہے اگر

اکٹھا ایک جگہ تلاش کیا جائے تو یہ ساری تفصیلات ہمیں حاصل نہیں ہوسکتیں۔ یہ فائدہ بڑے سائز کے ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔اور مقدمے کی قدر ومنزلت میں اضافے کا سبب ہے۔

دوسری فصل میں ہی گیارھواں فائدہ ان مرویات کے بیان میں ہے جن پر ناقدین فن حدیث نے فنی حیثیت سے جرح کی ہے۔ یہ فائدہ بھی بڑے اہم مباحث پر مشتمل ہے اس میں ان تمام روایات پر علمی حیثیت سے گفتگو کی گئی ہے جن ناقدین نے جرح کی ہے ایسی کل احادیث کی تعداد فتح الباری کے مطابق ایک سودس ہے۔مقدمہ نگار نے بخاری شریف کی پہلی جلد سے کل تیس روایتیں اور دوسری جلد سے کل بیس روایتیں بطور نمونہ ذکر کی ہیں اور باضابطہ باب وصفحہ کے حوالے سے ذکر کیے ہیں۔اس سے طالبین حدیث کو بڑی سہولت ہوجاتی ہے اور وہ آسانی سے ان مرویات کے معتد بہ نمونوں سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں جن پر ناقدین نے گفتگو کی ہے۔

مثلاً باب الصوم من أخر الشهر اظنه قال رمضان قال ابو عبد الله وشعبان اصح کی عبارت جلد اول بخاری شریف سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فان الامام البخاری ذكر الرواية التی هی غير الاصح عنده اصالة والاصح تبعا،وكان حقه العكس بل ذكر رمضان وهم هنا،فان صوم رمضان واجب كله [۱]

یعنی امام بخاری نے مذکورہ روایت میں غیر صحیح روایت کو پہلے اور اصح روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے جب کہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ یہاں رمضان کا ذکر کرنا وہم کے وجہ سے ہے اس لیے رمضان میں تو پورے مہینہ روزہ ضروری ہے۔ یہ فائدہ صفحہ ۷۲ سے ۸۴ تک ہے، نہایت شاندار انداز میں ان روایات پر گفتگو کی گئی ہے۔

تیسری فصل میں خصوصیت کے ساتھ تیسرا فائدہ طالبین علوم حدیثہ کے لیے خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس فائدے میں شارحین حدیث اور مشائخ محدثین کے ذکر کردہ اصول تراجم بخاری کو تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اور مقدمہ نگار نے اپنے علم ومطالعہ کی روشنی میں اپنی جانب سے اضافے بھی کیے ہیں۔ان اصول تراجم کی کل تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ان سارے ستر اصولوں کو مقدمہ نگار

نے نہایت عمدگی اور سلیقے سے اور شاندار علمی انداز میں شرح وبسط کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والا ادنیٰ شخص بھی مصنف کے وسعت علمی کا اعتراف کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔

تراجم ابواب بخاری کے اصول میں اپنی جانب سے ایک اصل کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الامام البخاری طالما یجمع الابواب العدیدة ویاتی بعد تلك الابواب حدیثا واحدا یثبت الابواب السابقة کلها، ویفعل ذلك تشحیذاً للاذهان ومن لم یمعن النظر فی ذلك یعد الابواب السابقة خالیة عن الحدیث ویاتی لذلك بتوجیهات بعیدة کسهو المؤلف او عدم وجدانه للحدیث أو تحریف من الناسخ وغیر ذلك من التوجیهات العامة المعروفة الخ

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات متعدد ابواب جمع کردیتے ہیں اور ان ابواب کے بعد ایک ایسی حدیث ذکر کرتے ہیں جو سابقہ تمام ابواب کو ثابت کرتی ہے وہ ایسا ذہنوں کو صیقل کرنے کے لیے کرتے ہیں جو اس میں غور وفکر نہیں کرتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ابواب احادیث سے خالی ہیں اور دور از کار توجیہات ذکر کرتا ہے کہ مصنف سے بھول ہوگئی ہے یا ان کو کوئی حدیث نہیں مل سکی یا ناسخ سے تحریف ہوئی ہے وغیرہ۔

اس کی مثال وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جہاں انھوں نے باب الریاء فی الصدقة پھر باب لایقبل الله صدقة من غلول اور پھر باب الصدقة من کسب طیب قائم کیا ہے۔

یہ فائدہ ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اور یقینی طور پر اس لائق ہے کہ طالبین حدیث اس کا مطالعہ نہایت باریک بینی کے ساتھ کریں کیوں کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ تراجم ابواب کو سمجھنے میں غلطیاں کرتے ہیں اور بے حد پریشان ہوتے ہیں اگر اس فائدہ کا مطالعہ کرلیا جائے تو یقینی طور پر ابواب وتراجم کے باہمی تعلق کو ذکر کردہ ستر اصولوں کی روشنی میں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ فائدہ بجا طور پر بیش قیمت تحفہ ہے۔

فصل دوم

لامع الدراری کا منہج

مولانا زکریا کی لامع الدراری جو اصلاً مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ان تعلیقات کا توضیحی حاشیہ ہے جسے مولانا محمد زکریا کے والد محترم نے جمع کیا تھا یہ کوئی مستقل بخاری شریف کی شرح نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مصنف کا یہ توضیحی حاشیہ کسی بھی شرح سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ اگر مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو مصنف محترم کا یہ حاشیہ بہت سی بڑی شرحوں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔ خاص طور سے حاشیہ پر لکھے گئے شاندار علمی مقدمے نے تو اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔

لامع الدراری کی تینوں جلدوں کے مجموعی صفحات مقدمے کے ۱۵۲ صفحات خارج کر کے تیرہ سو بیالیس صفحات بنتے ہیں۔ یہ سارے صفحات بڑے سائز کے ہیں جس میں مولانا یحییٰ کی تعلیقات کو چھوڑ کر اوسطاً تیس سطریں ہیں یہ ساری سطریں باریک قلم سے لکھی گئی ہیں۔ یہ شرح چوں کہ اصلاً شرح نہیں بلکہ جمع کردہ تعلیقات کا توضیحی حاشیہ ہے اس لیے مصنف نے جہاں جہاں ضرورت کی تشنگی محسوس کی ہے تعلیقات کے اس حصے پر حاشیہ نمبر لگا کر اس کی توضیح نیچے حاشیے میں کردی ہے۔ حاشیہ میں عموماً اختصار سے ہی کام لیا گیا ہے البتہ اختصار اتنا بھی نہیں کیا گیا ہے کہ اصل مطلب واضح نہ ہو۔ مغلق مقام کی وضاحت مختلف شروح بخاری کے حوالے سے کی گئی ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ کوئی بھی بات بغیر دلیل کے نہ کہی جائے بلکہ ہر بات اکابرین امت کے اقوال کی روشنی میں کی جائے۔ فقہی مسالک کے سلسلے میں بھی اس بات کی جہد وسعی کی گئی ہے کہ ہر مسلک کو اس کے مصادر کے حوالے سے پیش کیا جائے۔ یہ توضیحی حاشیہ چوں کہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک کے بعد لکھا گیا ہے اس لیے جگہ جگہ مفصل مباحث کے مطالعے کے اوجز کے مطالعے کی دعوت دی گئی ہے۔ مختلف احادیث کے رجال پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور ان کی جرح وتعدیل کو

ناقدین فن حدیث کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔اگر کسی حدیث کی تائید قرآن کریم کی کسی آیت سے ہوتی نظر آتی ہے تو قرآن کریم کی اس آیت کو ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ بات اور مضبوط ہو جائے۔

احادیث کے اندر وارد الفاظ جو تشریح طلب ہیں اور لغوی توضیح کے محتاج ہیں ان کی وضاحت عربی زبان کی مشہور لغات کے حوالے سے کی گئی ہے۔اگر کہیں کوئی ایسا لفظ حدیث میں وارد ہوا ہے جس پر مختلف حیثیتوں سے مختلف اعراب کے آنے کی گنجائش ہے تو اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے یوں ایسے الفاظ جن کو مختلف اعراب کے ساتھ پڑھنا ممکن ہے تو اس کی توضیح کر دی گئی ہے۔

اس حاشیے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے حاشیہ نگاری کے دوران اپنے اکابرین وشیوخ کا تذکرہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔اور ہر جگہ ان کی تعریف میں رطب اللسان دکھائی دیتے ہیں اپنے شیوخ کے افادات اگر کچھ ہیں تو اس کے ذکر میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ احترام کے ساتھ ان کے نام کی صراحت کر کے ان کے افادات کا ذکر کرتے ہیں۔یا ان کے شیوخ کے شیوخ سے اگر کسی قسم کے افادات منقول ہیں تو انھیں بھی انتہائی التزام کے ساتھ اور نام کی صراحت کر کے ذکر کیا گیا ہے جگہ جگہ اپنے شیوخ یا شیوخ کے افادات کو، انسب کہہ کر ان کے افادات کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔خود اپنے نگار علمی شغف، اور علم حدیث سے اپنے مسلسل ممارست سے حاصل ہونے والے علمی نکات کو ہذا ما ظہر للعاجز الفقیر جیسے الفاظ سے واضح کیا ہے۔تشریح کے دوران اگر کوئی عربی شعر مقام کے مناسب لگا ہے تو اسے بھی ذکر کیا گیا ہے[۱۲] بسا اوقات اس کا ترجمہ عربی میں کر دیا گیا ہے اور کبھی ترجمہ ترک بھی کر دیا گیا ہے۔ یوں ہی مقام کی مناسبت سے بعض اردو اشعار بھی ذکر کیے گئے ہیں[۱۳] اور کبھی ان کی وضاحت عربی میں کر دی گئی ہے اور کبھی وضاحت ترک بھی کر دی گئی ہے بعض ان مقامات پر جو مصنف کے اپنے مسلک سے تعلق رکھتا ہے زور دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مصنف کا یہ منہج تینوں جلدوں میں نظر آتا ہے اور ہر جگہ اس کی پابندی نہایت شدت کے ساتھ کی گئی ہے۔ایک خاص رنگ جس میں مصنف عموماً اور کتب حدیث کی شروح لکھتے وقت خصوصاً رنگے نظر آتے ہیں وہ صوفیانہ رنگ ہے۔مقدمے میں بھی اپنے اساتذہ وشیوخ کا تعارف نقشبندی، قادری اور چشتی

سے کرایا گیا ہے خود اپنا تعارف پیش کرتے وقت بھی وہ اپنے آپ کو صوفیہ کے مختلف سلاسل سے اپنے کو جوڑتے نظر آتے ہیں اور دوران شرح وتحشیہ بھی اگر کوئی نکتہ صوفیہ کے مناسب حال یا صوفیہ سے منقول ملتا ہے تو اس کو ذکر کرتے ہیں اور مقام کے مناسب اگر کوئی صوفیانہ قصہ نظر آتا ہے تو اسے بھی ذکر کرتے ہیں۔

زبان پوری کتاب میں نہایت سہل اور عام فہم استعمال کی گئی ہے جس سے عربی کا عام طالب علم بھی آسانی سے استفادہ کرسکتا ہے۔ کہیں زبان کی دھونس جمانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ ترسیل مطالب کے عظیم مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور خاص بات زبان کے تعلق سے یہ ہے کہ سجع نگاری کے دور میں ہونے کے باوجود مصنف نے کہیں بھی سجع بندی کی دانستہ کوئی کوشش نہیں کی ہے جس کی وجہ سے زبان کا حسن اس کا رنگ روپ نکھرا نظر آتا ہے، روانی میں کسی طرح کی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

بالجملہ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مصنف کا یہ حاشیہ ایک شاندار حاشیہ ہے اور تشنگان علوم حدیث کی سیرابی کا بڑا ذریعہ اور کتاب اپنے منہج واسلوب کے لحاظ سے کامیاب، اور علوم حدیث کے ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ ہے۔

فصل سوم

موضوعات ومباحث لامع الدراری

کسی بھی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مباحث اور مشمولات سے لگایا جاتا ہے۔ کتاب کتنے ہی عمدہ اسلوب میں کیوں نہ لکھی گئی ہو، زبان وبیان کتنا ہی شاندار کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو اگر مباحث ہی شاندار نہ ہوں اور مشمولات علمی قدر ومنزلت کے حامل نہ ہوں تو اس کتاب کی علمی دنیا میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی۔

اس زاویۂ نظر سے اگر لامع الدراری کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ لامع الدراری شاندار علمی مباحث پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ ویسے بھی یہ چوں کہ ایک ایسی کتاب کی شرح ہے جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح اور سچے مضامین پر مشتمل ہے تو ظاہر ہے کہ جو کتاب اس کی تشریح وتوضیح کرنے والی ہوگی وہ بھی شاندار اور بیش قیمت علمی مباحث پر مشتمل ہوگی۔

لامع الدراری کی صرف پہلی جلد ہی کم وبیش چھ سو بتیس (۶۳۲) مضامین پر مشتمل ہے۔ ان مضامین کا آغاز باب کیف کان بدء الوحی سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام باب سرعة انصراف النساء پر ہوتا ہے۔

دوسری جلد میں کم وبیش تیرہ سو تینتیس (۱۳۳۳) مضامین سے بحث کی گئی ہے، مضامین کا آغاز کتاب الجمعه سے ہوتا ہے اور انتہا باب اثم الغادر للبرو الفاجر پر ہوتی ہے۔

تیسری جلد بھی ساڑھے گیارہ سو سے زیادہ مضامین ومباحث پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد کا آغاز کتاب بدء الخلق سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم کی لغوی ومعنوی تشریح پر ہوتا ہے۔

جلد اول میں جن مضامین سے بحث کی گئی ہے ان میں سے کچھ اس طرح ہیں:

(۱) انواع الوحی ص۱۴

(۲) انواع توجه المشائخ ص۱۵

(۳) لقد خشيت على نفسی ووجوه الخشية ص۱۶

(۴) ارتداد احد سخطة لدينه ص۱۷

(۵) إن للايمان فرائض وشرائع ص۱۸

(۶) هل يثاب الكافر على حسناته بعد اسلامه

(۷) قول ابی حنيفة الا فی ما كان جبريل

(۸) قول ابن سيرين صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم

(۹) توضأ عمر من الحميم وبيت النصرانية ص۱۹

(۱۰) لولم يبالغ فی الدلل حتى بقی اثر الطيب ص۲۰

(۱۱) رطوبة الفرج ص۲۱

(۱۲) هل تحيض الحامل ص۲۲

(۱۳) باب اذا لم يجد ماء ولاترابا ص۲۳

(۱۴) باب الصلوٰة فی الجبّة الشامية ص۲۴

(۱۵) كتابة التسمية فی البخاری بعد الفترة ص۲۵

(۱۶) الاختلاف المعروف بين النووی والقاضی عياض ص۲۶

(۱۷) انی لأراكم من وراء ظهری ص۲۷

(۱۸) هل يجوز تزيين المسجد ص۲۸

(۱۹) الخوخة والممرفی المسجد ص۲۹

(۲۰) حديث سلاجزور ص۳۰

(۲۱) شغلنی ناس فیه ستة ابحاث ۳۱

(۲۲) المباراة عن الامام فی الرکوع والسجود ۳۲

(۲۳) امامة النساء ۳۳

(۲۴) این یستحب نظر المصلی فی الصلوٰة ۳۴

(۲۵) هل یجوز الدعاء علی مسلم ۳۵

(۲۶) باب حد اتمام الرکوع ۳۶

(۲۷) باب السجود علی سبعة أعظم ۳۷

(۲۸) لاتکرار فی سجدة السهو ۳۸

(۲۹) باب من لم یرد السلام علی الامام ۳۹

(۳۰) باب صلوٰة النساء خلف الرجال ۴۰

دوسری جلد میں مذکور بعض اہم مباحث درج ذیل ہیں:

(۱) الجمعة فی القری والمدن ۴۱

(۲) خروج النساء الی المساجد ۴۲

(۳) السوال فی القبر یختص بهذه الامة اویعم ۴۳

(۴) غناء الجواری والبحث فی الغناء ومسالك الائمة فی ذلك ۴۴

(۵) کان القنوت فی الفجر والمغرب ۴۵

(۶) معنی بول الشیطان فی الاذن ۴۶

(۷) سجود السهور فی النافلة ۴۷

(۸) اختلفوا ان الموت وجودی أوعدمی ۴۸

(۹) قول عبدالله بن عباس والله هو اضحك وابکی ۴۹

(۱۰) ماانتم باسمع عنهم وخطابه لاهل بدر وسماع الموتیٰ ۵۰

(۱۱) قوله اغناه الله ورسوله ونسبة الاغناء الى الرسول ۵۱

(۱۲) المتعة التی نهاعنها عمر ووجوه المنع ۵۲

(۱۳) شرب ماء زمزم قائما وکونه افضل من الکوثر ۵۳

(۱۴) هل یجوز ان یقال سورة البقرة ۵۴

(۱۵) فضائل المدینة ۵۵

(۱۶) اجمعت الائمة علی ان التراویح عشرون رکعة ۵۶

(۱۷) باب تفسیر العرایا ۵۷

(۱۸) زمان الفترة بین عیسی علیه السلام وبین نبینا ﷺ ۵۸

(۱۹) ایفاء الولد واجب ام لا ۵۹

(۲۰) اصول المکاسب وافضلها ۶۰

(۲۱) لاحمی الا لله ورسوله ۶۱

(۲۲) باب اثم من ظلم شیئاً من الارض ۶۲

(۲۳) کراهیة التطاول علی الرقیق ۶۳

(۲۴) باب قبول الهدیة من المشرکین ۶۴

(۲۵) حدیث الافک ۶۵

(۲۶) اختلافهم فی افضل الاعمال ۶۶

لامع الدراری کی تیسری جلد میں جن اہم مباحث کو چھیڑا گیا ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) وعظه صلی الله علیه وسلم بماکان ومایکون ۶۷

(۲) انواع الملائکة ۶۸

(۳) طول آدم ستون ذراعا ۶۹

(۴) الصدیق المسیح ۷۰

(۵) علامات النبوة فی الاسلام ۷۱

(۶) انساب الخلفاء الراشدین ۷۲

(۷) لفظ لعل فی کلامه صلی الله علیه وسلم ۷۳

(۸) الکلام علی قتل کعب بن الاشرف

(۹) حدیث یعلی فی رؤیته صلی الله علیه وسلم عند الوحی ۷۴

(۱۰) دأب الامام البخاری فی التفسیر ۷۵

(۱۱) ان المنافقین فی الدرک الاسفل ۷۶

(۱۲) غایة امتثال الصحابة لاوامر الشرع ۷۷

(۱۳) بحث کثرة یاجوج وماجوج ۷۸

(۱۴) باختلاف الزمان یختلف العرف ۷۹

(۱۵) اسماء کاتبی الوحی ۸۰

(۱۶) البحث فی مسئلة الشوم ۸۱

(۱۷) لاتباشر المراة المراة ۸۲

(۱۸) عمل المراة فی بیت زوجها ۸۳

(۱۹) نسخ الکتاب بالسنة ۸۴

(۲۰) عیادة المشرک ۸۵

(۲۱) قول الرجل فداک ابی وامی ۸۶

(۲۲) باب ماجاء فی ضرب شارب للخمر ۸۷

(۲۳) حقیقة الرویا واقسامها ۸۸

(۲۴) اجماع اهل المدینة وترجیح روایاتهم ۸۹

(۲۵) سبب ثقل الحسنة وفقة السیئة ۹۰

یہ چند نمایاں مباحث تھے جن کو لامع الدراری میں بیان کیا گیا ہے پوری شرح چوں کہ ہزار صفحات سے زائد پر مشتمل ہے اس لیے ہر ایک مبحث پر تفصیلی گفتگو کرنا تو مشکل امر ہے اس لیے ذیل میں صرف چند مباحث کا انتخاب کر کے اس پر کی گئی مصنف کی گفتگو کو ذکر کیا جائے گا تا کہ قاری کے سامنے واضح ہو جائے کہ یہ شرح کتنی اہمیت کی حامل ہے اور اپنے اندر کتنے قیمتی مباحث کو سمیٹے ہوئے ہے۔

بخاری شریف میں سب سے پہلا باب بدء الوحی کا ہے جس میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ کس طرح حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے زور سے لگایا اور اس طرح اس عمل کو تین بار دھرایا گیا۔ صوفیہ کے یہاں یہ عمل آج بھی رائج ہے وہ طالبین کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور فیوض وانوار اس عمل کے ذریعہ دوسرے شخص کے سینے میں منتقل کرتے ہیں۔ چنانچہ مشائخ کے توجہ کی اقسام پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان تاثير المشائخ الكاملين فى نفس الآخر الذى يعبرونه فى اصطلاحهم بالتوجه على اربعة انحاء: الاول تاثير انعكاسى مثاله رجل لطخ على جسده طيباً كبيرا ومعطرات غالية يفوح منها الرائحة الطيبة الكثيرة فجلس فى مجلس وحوله عصابة فيتأثرون بها وهذا اضعف التاثيرات لان اثره يبقى مادامو ا فى مجلس هذا الشيخ ۔ والثانى: تاثير القائى بمنزلة رجل اخذ سكرجة والقى فيها من الزيت والفتيلة وذهب عند الشيخ فاخذ منها ليا نور به مصباحه كان الشيخ القى فيه انواره وهذا اقوى من الاول، اذ يبقى اثره بعد صدوره من مجلس الشيخ ومن ذلك لوعارض مصباحه شيئ من الريح الشديد وغيره أطفئ نوره۔ وايضا لايكون فى هذا النوع مزيد اصلاح لنفس المريد لانه لم يوثر فيه الشيخ الا بالقاء نوره فمدار اصباحه على نظافة زيته ووجودة فتيلته ان كانتا اجود كان ايضا جيدا والا فلا ۔ الثالث: تاثير اصلاحى بمنزلة رجل حفر نهراً واصلح صنعته واوصله إلى البحر ليجرى منه الماء فى نهره وجعله فى النزول عند البحر حتى يجرى منه السيل فى

نهره بالسرعة والشدة، وهذا التاثير قوى من الاولين فانه فيه يزول العوارض المانعة من جريان الماء كالتراب والاوراق وغير ذلك. فانها تسيل مع الماء الا ان يقع عارض فى النهر من الخرق والثقب وغير ذلك. الرابع: تاثير اتحادى بان يجعل الشيخ روحه الحامل للكمالات العلية متحدا بروح المسترشد بالقوة والشدة والغضطة ومعلوم ان هذا التاثير أقوى التاثيرات السابقة ۔[۹۱]

دوسروں کے اندر کامل مشائخ کی تاثیر جسے وہ اپنی اصطلاح میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار قسموں پر ہوتی ہے۔

پہلی انعکاسی تاثیر: مثلاً ایک شخص ہے جس نے اپنے جسم پر بہت زیادہ اور بہت قیمتی عطر مل لیا اور اس کی وجہ سے ہر طرف خوشبو پھیل رہی ہے اب وہ کسی مجلس میں بیٹھا تو اس کے گرد بیٹھی جماعت بھی اس خوشبو سے معطر ہوگئی اور اس طرح انھوں نے اس خوشبو کا اثر لیا یہ سب سے کمزور تاثیر ہے کیوں کہ اس کا اثر اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ شیخ کی مجلس میں ہیں۔

دوسری قسم القائی تاثیر ہے: مثلاً ایک شخص ہے جس نے ایک برتن لیا اور اس میں تیل اور بتی ڈال دی اور پھر وہ شیخ کے پاس گیا اور ایک شعلہ لے کر اس نے اپنے چراغ کو بھی روشن کر لیا گویا شیخ نے اپنے انوار اس کے اندر ڈال دیئے یہ تاثیر پہلے سے زیادہ قوی ہے کیوں کہ اس کا اثر شیخ کی مجلس سے چلے جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ ہاں اگر تیز ہوا چلنے لگے تو اس کا چراغ گل ہو جائے گا۔ ساتھ ہی اس قسم میں مرید کے نفس کی زیادہ اصلاح نہیں ہوتی کیوں کہ شیخ نے صرف اپنا نور اس کے اندر ڈال کر اثر ڈالا ہے اب ایسے میں اس کے چراغ کے روشن رہنے کا دارومدار تیل کی صفائی اور بتی کی عمدگی پر ہوگا اگر وہ دونوں عمدہ ہوں گے تو روشنی اچھی ہوگی ورنہ نہیں۔

تیسری قسم اصلاحی تاثیر ہے: مثلاً ایک شخص نے ایک نہر کھودی اور اچھے طریقے پر کھودی اور اس کو سمندر سے ملا دیا تاکہ اس کے نہر میں بھی سمندر سے پانی پہنچ جائے اور اپنی اس نہر کو سمندر کے پاس نشیبی بنا کر رکھا تاکہ تیزی کے ساتھ اس کے نہر میں سمندر کا بہاؤ جاری رہے۔ یہ تاثیر پہلی دو تاثیروں سے زیادہ

قوی ہے۔ اس لیے کہ اس میں پانی بہنے کی وجہ سے عوارض مثلاً مٹی کاغذ وغیرہ خود بخود زائل ہو جاتے ہیں البتہ نہر پھٹ جائے یا اس میں سوراخ ہو جائے تو ایسی صورت میں بہاؤ کا سلسلہ رک جائے گا۔

چوتھی قسم اتحادی تاثیر ہے: اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ بلند و بالا کمالات کی حامل اپنی روح کو مسترشد کی روح کے ساتھ قوت و دباؤ کے ذریعہ متحد کر دے اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے قوی تاثیر ہے۔

بخاری شریف میں ہی ایک حدیث انی لأراکم من وراء ظھری اس حدیث کے معنی و مفہوم پر علمانے بڑی گفتگو کی ہے کہ ایا اللہ کے رسول ﷺ خلاف عادت اپنے پیچھے سے بھی لوگوں کے حرکت و عمل کا مشاہدہ کر لیتے تھے یا اس حدیث کا مفہوم کچھ اور ہی ہے چنانچہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلفوا فی معنی قوله صلی الله علیه وسلم انی لأراکم من وراء ظهری قال الحافظ قد اختلف فی معناه فقیل المراد بها العلم اما بان یوحی الیه کیفیة فعلهم أوبان یلهم وفیه نظر لانه لوکان مرادا لم یقیده بقوله من وراء ظهری وقیل المراد انه یری من عن یمینه ویساره من تدرك عینه مع التفات یسیرو یوسف من هو هناك بانهوراء ظهری وهذا ظاهر التکلف وفیه عدول عن الظاهر بلا موجب والصواب المختار انه علی ظاهره وان هذا الابصار ادراك حقیقی خاص به صلی الله علیه وسلم انخرقت له فیه العادة وعلی هذا عمل االمصنف فاخرج هذا الحدیث فی علامات النبوة وکذا نقل عن الامام احمد وغیره۔ ثم ذلك الادراك یجوز ان یکون بروية یمینه انخرقت له العادة فیه ایضا فکان یریٰ بها من غیر مقابلة لان الحق عن اهل السنة ان الروية لایشترط لهاعقلاً عضو مخصوص ولامقابلة ولاقرب وانما تلك امور عادية يجوز حصول الادراك مع عدمها، عقلاً، ولذلك حکموا بجواز روية الله تعالیٰ فی الدار الآخرة خلافا لاهل البدع لوقوفهم مع العادة وقیل کانت له عین خلف ظهره یری بها من ورائه دائما وقیل کان بین کتفیه عینان مثل سم الخیاط یبصربهالا یحجبهما ثوب ولا غیره وقبل بل کانت صورهم

تنطبع فی حائط قبلته کماتنطبع فی المراۃ فیری امثلتھم فیھا الخ ثم قال الکرمانی فان قلت الرویۃ من الوراء کانت مخصوصۃ بحال الصلوٰۃ ام ھی عامۃ لجمیع الاحوال قلت اللفظ سیما فی الحدیث الاول یقتضی العموم والسیاق یقتضی الخصوص قال العینی ونقل عن مجاھد انہ کان فی جمیع احوالہ۔ ۹۲

فرمان نبوی انی لأراکم من وراء ظھری کے معنی میں اختلاف ہے حافظ کہتے ہیں کہ اس کے معنی میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ مراد یہاں علم ہے اور وہ اس طرح کہ ان کے افعال کی کیفیت آپ کو بذریعہ وحی بتادی جاتی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بذریعہ الہام آپ کو معلوم ہو جاتا تھا لیکن یہ بات محل نظر ہے کیوں کہ اگر علم ہی مراد ہوتا تو من وراء ظھری کی قید کی کوئی ضرورت نہیں تھی ایک قول یہ ہے کہ آپ تھوڑی سی توجہ سے اپنے دائیں اور بائیں والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کرتے تھے اور وہی لوگ جو دائیں یا بائیں ہوتے ہیں ان کو من وراء ظھری سے یاد کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کھلا ہوا تکلف ہے اور بغیر کسی سبب کے ظاہر سے عدول ہے۔ پسندیدہ اور مختار مذہب یہ ہے کہ یہ دیکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے جو آپ کے لیے خارق عادت کے طور پر ثابت ہے۔ اسی پر مصنف (امام بخاری) کا عمل ہے اسی لیے انھوں نے اس حدیث کی تخریج علامات النبوۃ کے باب میں کی ہے۔ ایسا ہی امام احمد وغیرہ سے منقول ہے۔ علاوہ ازیں کہ یہ دیکھنا ممکن ہے کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہو جو آپ کے لیے بطور خارق عادت ثابت ہوا ہے چنانچہ آپ ان لوگوں کو بھی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں جو آپ کے سامنے نہیں ہیں کیوں کہ اہل سنت کے نزدیک حق یہ ہے کہ دیکھنے کے لیے۔ عقلا کسی خاص عضو کا ہونا یا بالمقابل یا قرب میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ بطور عادت ایسا ہی ہے لیکن اس کے بغیر بھی عقلاً دیکھنا ممکن ہے اور اسی لیے اہل سنت کا یہ ماننا ہے کہ قیامت کے دن رب تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے برخلاف بدعتیوں کے، کیوں کہ وہ عادت کے ساتھ چلتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ پیچھے کی جانب بھی آپ کی آنکھ تھی جس سے آپ ہمیشہ پیچھے والوں کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دونوں مونڈھے حجاب نہیں بنا کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ پیچھے والوں

کی صورتیں آپ کے قبلے کی دیوار میں چھپ جایا کرتی تھیں جیسے آئینے میں صورتیں چھپ جاتی ہیں، تو آپ ان کا عکس ملاحظہ کرلیا کرتے تھے۔ کرمانی نے کہا کہ اگر آپ کہیں کہ پیچھے سے دیکھنا نماز کی حالت کے ساتھ خاص تھا یا عام تھا تو میں کہوں گا کہ لفظ خاص طور سے پہلی حدیث کا لفظ عموم کو چاہتا ہے اور سیاق خصوص کو چاہتا ہے۔ عینی نے کہا: مجاہد سے منقول ہے کہ یہ تمام احوال کو عام ہے۔

عورتوں کی امامت درست ہے یانہیں عورتوں کی اقتدار میں مردوں کی نماز ہوگی یانہیں ایک اختلافی مسئلہ ہے جمہور کا قول یہی ہے کہ عورت کی امامت درست نہیں ہے دورِ حاضر میں یہ مسئلہ خاص طور پر گردش کررہا ہے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الموفق امامة المراة فلايصح ان ياتم بها الرجل بحال فی فرض ولانافلة فی قول عامة الفقهاء وقال ابوثور لااعادة علی من صلی خلفها وهوقياس قول المزنی وقال بعض اصحابنا يجوز ان تم الرجال فی التراويح وتكون ورائهم لما روی عن ام ورقة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم جعل لها موذنا يوذن لها وامرها ان تم اهل دارها رواه ابوداؤد وهذا عام فی الرجال والنساء ولناقول النبی صلی الله عليه وسلم لاتؤمن امراة رجلا، وحديث ام ورقة انما اذن لها ان تم نساء اهل دارها كذلك رواه الدارقطنی وهذا زيادة وجب قبولها ولولم يذكر ذلك لتعين حمل الخبر عليه لانه اذن لها فی الفرائض بدليل انه جعل لهامؤذنا والاذان انمايشرع فی الفرائض ولاخلاف فی انها لاتمهم فی الفرائض ولان تخصيص ذلك بالتراويح واشراط تاخرها تحكم يخالف الاصول دليل فلايجوز المصير اليه ولوقدر ثبوت ذلك لام ورقة لكان خاصا بدليل انه لايشرع لغيرها من النساء اذان ولااقامة فتختص بالامامة لاختصاصهابالاذان والاقامة الخ قلت: تكلم الشيخ فی البذل علی حديث ام ورقة وحكی عن البدائع انها كانت فی ابتداء الاسلام ۹۳

امام موفق فرماتے ہیں کہ عورت کی اقتدار مرد کے لیے کسی حالت میں جائز نہیں ہے نہ تو فرض میں

اور نہ نفل میں۔یہی عام فقہا کا قول ہے۔امام ابوثور کا قول ہے کہ اگر عورت کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اس کا اعادہ ضروری نہیں۔ یہی امام مزنی کے قول کا قیاس ہے۔ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ تراویح میں عورت مرد کی امامت کرسکتی ہے لیکن وہ مردوں کے پیچھے ہوگی کیوں کہ حضرت ام ورقہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے ایک مؤذن اذان دینے کے لیے مقرر کر دیا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اہل خانہ کی امامت کیا کریں۔اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ مردوں اور عورتوں کو عام ہے ہماری دلیل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ لا تؤمن امراۃ رجلا کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے اور جہاں تک حدیث ام ورقہ کی بات ہے تو ان کو اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کی اجازت دی گئی تھی ایسا ہی دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ ایسا اضافہ ہے جو واجب القبول ہے اگر امام دارقطنی اس کو ذکر نہ کرتے تو حدیث کو عام معنوں پر محمول کرنا متعین ہو جاتا اور اس لیے بھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو فرائض میں امامت کی اجازت دی تھی کیوں کہ آپ نے ان کے لیے مؤذن اور اذان قرار دیا تھا اور اذان فرض نمازوں کے لیے ہوا کرتی ہے۔اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت فرائض میں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی ہے اور اس لیے کہ اس اجازت کو تراویح کے ساتھ خاص کرنا اور عورتوں کے لیے مردوں سے پیچھے ہونے کی شرط لگانا اپنی جانب سے حکم لگانا ہے اور اس میں بلا دلیل اصول کی مخالفت ہے اس لیے ایسا مفہوم لینا درست نہیں ہوگا اور اگر اس کا ثبوت مان بھی لیا جائے۔تب بھی اس حکم کو ان کے ساتھ خاص قرار دیا جائے گا اس لیے کہ کسی اور عورت کے لیے اذان و اقامت مشروع نہیں ہے تو اب اذان و اقامتِ امامت کے ساتھ خاص ہوگا اور اس طرح یہ امامت بھی ام ورقہ کے ساتھ خاص ہوگی الخ۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ (مولانا خلیل احمد امبیٹھوی) نے بذل المجہود میں حدیث ام ورقہ پر گفتگو کی ہے اور بدائع سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔

عذاب قبر برحق ہے لیکن اس بارے میں علما کے مابین اختلاف ہے کہ ابتلائے قبر امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے یا پچھلی امتوں کے ساتھ بھی تھا اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهل تختص (فتنة القبر) بهذه الامة ام وقعت على الامم قبلها، ظاهر

الحديث الاول وبه جزم الحكيم الترمذی وقال كانت الامم قبلها تاتيهم الرسل فان اطاعوا فذاك وان ابوعو جلوا بالعذاب فلما ارسل الله تعالىٰ محمداً صلی الله عليه سلم رحمة للعالمين امسك عنهم العذاب وقبل الاسلام ممن اظهره سواء اسر الكفر اولا، فلما ماتوا قيض الله لهم فتانی القبر ليستخرج سرهم بالسوال وليميز الله الخبيث من الطيب ويثبت الله الذی آمنوا ويضل الله الظالمين الخ- ويؤيده حديث زيد بن ثابت مرفوعاً ان هذه الامة تبتلی فی قبورها الحديث اخرجه مسلم ومثله عند احمد عن ابی سعيد فی اثناء حديث ويويده ايضا قول الملكين ماتقول فی هذا الرجل محمد وحديث عائشة عند احمد ايضاً بلفظ واما فتنة القبر عنی تفتنون وفی تسالون وجنح ابن القيم إلی الثانی وقال ليس فی الاحاديث ماينغی المسئلة عمن تقدم من الامم و انما اخبر النبی صلی الله عليه وسلم امته بكيفية امتحانهم فی القبور لا انه نفی ذلك عن غيرهم قال والذی يظهر ان كل نبی مع امته كذلك فتعذب كفارهم فی قبورهم بعد سوالهم واقامة الحجة عليهم ويعذبون فی الآخرة بعد السوال واقامة الحجة ۹۴

(ترجمہ): ایا فتنۂ قبر اس امت کے ساتھ خاص ہے یا پچھلی امتیں بھی اس فتنے میں پڑیں؟ ظاہر حدیث سے پہلی بات کا ثبوت ملتا ہے اسی پر حکیم ترمذی نے جزم کیا ہے اور کہا ہے کہ اگلی امتوں کے پاس انبیاء کرام آتے اگر وہ ان کی اطاعت کرتے تو ٹھیک اور اگر نافرمانی کرتے تو فوراً عذاب اترتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تو ان سے عذاب کو روک لیا اور جس نے بھی اسلام کا اظہار کیا اس کا اسلام قبول کرلیا خواہ وہ دل میں کفر چھپائے ہو یا نہ ہو اور جب انھیں موت آئی تو اللہ نے ان کے لیے قبر کی دو آزمائش متعین کردی تاکہ وہ سوال کے ذریعہ ان کا راز اگلوادے اور تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کردے اور ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ظالموں کو گمراہ کردے۔ اس کی تائید زید بن ثابت کی اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے کہ یہ امت اپنی قبروں میں، آزمائش میں گرفتار

ہوگی۔اس حدیث کی مسلم نے تخریج کی ہے اور ایسی ہی حدیث امام احمد کے یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ سے اثناء حدیث میں مروی ہے اور اس کی تائید دونوں فرشتوں کے اسی قول سے بھی ہوتی ہے کہ ماتقول فی هذا الرجل (تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو) اور حضرت عائشہ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو امام احمد کے یہاں اس لفظ سے مروی ہے۔ واما فتنة القبر فبی تفتنون وعنی تسالون۔ ابن قیم کا میلان دوسرے قول کی طرف ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی بنا پر اگلی امتوں سے سوال کی نفی ہوتی ہو۔ نبی پاک ﷺ نے تو صرف قبروں میں آزمائش کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ ہر نبی کا معاملہ اپنی امت کے ساتھ ایسا ہی ہے۔ کفار پر ان کی قبروں میں سوال اور اقامت حجت کے بعد عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی سوال اور اقامت حجت کے بعد عذاب ہوگا۔

مشرکین سے دوستی کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس کی ممانعت آئی ہے ایسا ہی احادیث کریمہ سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ قبول کیا اور ہدیہ کا قبول کرنا عموماً دوستی کو ظاہر کرتا ہے۔ بخاری شریف میں بھی اس کے عدم جواز پر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی مبحث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الحافظ كانه اشار الى ضعف الحديث الوارد فى رد هدية المشرك وهو ما اخرجه موسى بن عقبة فى المغازى ان عامر ابن مالك الذى يدعى ملاعب الالسنة قدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مشرك فاهدى له فقال انى لاقبل هدية المشرك الحديث رجاله ثقات الا انه مرسل واخرج ابوداؤد والترمذى وغيرهما عن عياض بن حمار قال اهديت للنبى صلى الله عليه وسلم ناقه فقال اسلمت قلت لا: قال انى نهيت عن زبد المشركين والزبد بفتح الزاى وسكون الموحدة الرفد، صححه الترمذى وابوخزيمة واورد المصنف عدة احاديث دالة على الجواز وجمع بينهما الطبرى بان الامتناع فيما اهدى له خاصة والقبول فيما

اھدی للمسلمین وفیه لان من جملة ادلة الجواز ماوقعت الهدية فيه له خاصة وجمع غيره بان الامتناع فی حق من يريد بهديته التودد والموالاة والقبول فی حق من يرجی بذلك تانيسه وتاليفه علی الاسلام وهذا اقوی من الاول وقيل يحمل القبول علی من كان اهل الكتاب والرد علی من كان من اهل الاوثان وقيل يمتنع ذلك لغيره من الامراء وان ذلك من خصائص صلی الله عليه وسلم ومنهم من ادعی نسخ المنع باحاديث القبول ومنهم من عكس، وهذه الاجوابة الثلاثة ضعيفة فالنسخ لايثبت بالاحتمال ولاالتخصيص ۹۵

حافظ کہتے ہیں: گویا انھوں نے مشرک کے ہدیہ کو نہ قبول کرنے کے باب میں وارد حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا اور وہ وہی حدیث ہے جس کو موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ عامر بن مالک جس کو ملاعب الالسنۃ کہا جاتا تھا نبی پاک ﷺ کے پاس آیا جب کہ وہ مشرک تھا اور اس نے ہدیہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

بالاخر یہ مرسل ہے اور ابوداؤد ترمذی وغیرہ نے عیاض بن حمار سے روایت کی تخریج کی ہے کہ حمار نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں میں نے ایک اونٹنی ہدیہ کی آپ نے کہا اسلام لے آئے ہو؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے مشرکوں کا جانور بطور ہدیہ لینے سے منع کیا گیا ہے۔ زبدزاء کے فتح اور باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کا مطلب رفد ہوتا ہے اس حدیث کو ترمذی اور ابوخزیمہ نے صحیح کہا ہے اور مصنف نے جواز کی متعدد احادیث کو ذکر کیا ہے۔ دونوں قسموں کی احادیث کو طبری نے اس طرح جمع کیا ہے کہ خاص نبی کریم ﷺ کے حق میں ممنوع ہے اور مسلمانوں کے حق میں جائز ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیوں کہ جواز کی دلیلوں سے خود نبی پاک ﷺ کے حق میں ہدیہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسرے علما نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ بطور مودت ومولات قبول کرنا ممنوع ہے اور انسیت قائم کرنے اور تالیف قلب کے لیے درست ہے۔ یہ توجیہہ پہلے والی سے قوی ہے ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب کا ہدیہ قبول کیا جائے گا اور بت پرستوں کا رد کر دیا جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ صرف آپ کے لیے مشرکین کا ہدیہ

قبول کرنا جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں۔ کچھ لوگوں نے ممانعت کی احادیث کو قبولیت کی احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے اور کچھ لوگوں نے قبولیت کی احادیث کو ممانعت کی احادیث سے منسوخ کہا ہے لیکن یہ تینوں جوابات ضعیف ہیں اس لیے کہ نسخ نہ احتمال سے ثابت ہوتا ہے اور نہ تخصیص سے۔

لفظ لعل خواہش، خوف اور امید کا معنی ادا کرتا ہے لیکن قرآن کریم میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لعل کا لفظ وارد ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا ظاہر معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں درست نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خواہش طمع اور خوف سے پاک ہے یوں ہی احادیث میں بھی لعل کا استعمال ملتا ہے اور نبی کی ہر بات جب وحی خدا ہوتی ہے تو وہاں پر مقام جزم ویقین ہونا چاہیے نہ کہ امید کو ظاہر کرنے والا لفظ اس سلسلے میں علمائے کرام نے شرح حدیث کے وقت گفتگو کی ہے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا معروف عند العلماء وقدجزموا بذلك فی الروایات الكثیرة التی ورد فیهالفظ لعل فی كلامه صلی الله علیه وسلم قال الحافظ فی قصة سعد بن ابی وقاص فی الوصایا قال بعض العلماء لعل وان كانت للترجی لكنها عن الله للامر الواقع وكذلك اذاوردت علی لسانه صلی الله علیه وسلم غالبا وقال الراغب لعل طمع واشفاق، وذكر بعض المفسرین ان لعل من الله تعالیٰ واجب وقال الحافظ ایضاً فی قصة حاطب بن ابی بلتعة فی قوله صلی الله علیه وسلم لعل الله اطلع علی اهل بدر الخ قال العلماء ان الترجی فی كلام الله وكلام رسوله للوقوع وبذلك جزم العینی اذ قال فی الحدیث المذكور قلت الترجی فی كلام الله وكلام رسوله للوقوع وفی المجمع فی الحدیث المذكور قیل لعل هنا من جهة الظن والحبان ولیس لذلك وانما بمعنی عسی، وعسی ولعل من الله تحقیق۔ [۹۴]

یہ بات (لعل کا یقین کے معنی میں ہونا) علما کے نزدیک معروف ہے علما نے ان مختلف روایات میں اس سے جزم مراد لیا ہے جس میں لفظ لعل وارد ہے۔ حافظ وصایا کے باب میں سعد بن ابی وقاص کے قصے میں کہتے ہیں: بعض علما نے فرمایا کہ لعل اگرچہ ترجی کے لیے ہے لیکن یہ اللہ کی جانب سے واجب

الوقوع امر کے لیے ہے، نبی پاک کی زبان مبارک پر بھی جب یہ لفظ وارد ہو تو غالباً یہی مطلب ہوتا ہے۔ راغب نے کہا کہ لعل طمع واشفاق کے لیے آتا ہے۔اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ کلام باری تعالیٰ میں یہ وجوب کا معنی دیتا ہے۔حافظ ہی نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصے میں اللہ کے رسول ﷺ کے قول لعل اللہ اطلع علی اھل بدر پر کہا ہے: علما فرماتے ہیں کہ ترجی اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں وقوع کے لیے ہوتا ہے۔عینی نے بھی اس پر جزم کیا ہے اور مجمع میں حدیث مذکور کے بیان میں ہے: کہا گیا ہے کہ لعل یہاں ظن وگمان کے لیے ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہے یہ عسی کے معنی میں ہے اور عسی اور لعل اللہ کی جانب سے تحقیق کے لیے ہوتا ہے۔

لامع الدراری کی مختلف جلدوں سے نقل کرہ ان مباحث سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ کسی بھی مسئلے اور مبحث پر گفتگو کرتے وقت کس قدر اہتمام اور کس قدر پختگی کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں پر صرف چند نمونے ذکر کیے گئے ہیں مزید نمونے دیکھنے کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اصل کتاب کے مطالعے سے ہی کتاب کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔لیکن ذکر کردہ نمونوں سے بھی اہمیت وافادیت کے کچھ نقوش تو واضح ہوہی جاتے ہیں اور یہاں مقصود یہی ہے ۔ چند نمونے ذکر کرکے کتاب کی اہمیت وافادیت کو واضح کردیا جائے اور یہ مقصود چند نمونوں کے ذکر سے حاصل ہوگیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مقدمہ لامع الدراری، ص:۳۔۱
۲۔ نفس مصدر، ص:۲۲۔۴
۳۔ نفس مصدر، ص:۹۰۔۲۴
۴۔ نفس مصدر، ص:۱۲۶۔۹۰
۵۔ فصل ۲ر فائدہ، :۵، ص:۲۷
۶۔ صحیح بخاری ج:۱، کتاب الوضو، باب البول فی الماء الدائم
۷۔ مقدمہ لامع الدراری فصل:۲، فائدہ:۵، ص:۳۲
۸۔ فصل:۲، فائدہ:۵، ص:۳۶۔۲۷
۹۔ نفس مصدر، فصل:۲، فائدہ۹، ص:۶۴۔۴۳
۱۰۔ نفس مصدر، فصل:۲، فائدہ:۱۱، ص:۴۷
۱۱۔ نفس مصدر، فصل:۳، فائدہ:۳، ص:۱۱۵۔۱۱۴
۱۲۔ نفس مصدر: ج: دوم، جامع الحسبۃ فی المصیبۃ، ص:۵۰۳
۱۳۔ متفرق مقام پر ملاحظہ کیجیے
۱۴۔ لامع الدراری، ج: دوم، ص:۳
۱۵۔ نفس مصدر: ص:۵
۱۶۔ نفس مصدر: ص:۵
۱۷۔ نفس مصدر: ص:۱۲
۱۸۔ نفس مصدر: ص:۱۶
۱۹۔ نفس مصدر: ص:۸۶
۲۰۔ نفس مصدر: ص:۱۱۰
۲۱۔ نفس مصدر: ص:۱۱۴
۲۲۔ نفس مصدر: ص:۱۲۴
۲۳۔ نفس مصدر: ص:۱۳۳

۲۴؎ نفس مصدر: ص:۱۴۳

۲۵؎ نفس مصدر: ص:۱۵۳

۲۶؎ نفس مصدر: ص:۱۵۷

۲۷؎ نفس مصدر: ص:۱۶۰

۲۸؎ نفس مصدر: ص:۱۷۲

۲۹؎ نفس مصدر: ص:۱۸۲

۳۰؎ نفس مصدر: ص:۲۰۶

۳۱؎ نفس مصدر: ص:۲۲۷

۳۲؎ نفس مصدر: ص:۲۵۹

۳۳؎ نفس مصدر: ص:۲۶۸

۳۴؎ نفس مصدر: ص:۲۹۲

۳۵؎ نفس مصدر: ص:۲۹۶

۳۶؎ نفس مصدر: ص:۳۱۶

۳۷؎ نفس مصدر: ص:۳۲۴

۳۸؎ نفس مصدر: ص:۳۳۳

۳۹؎ نفس مصدر: ص:۳۳۸

۴۰؎ نفس مصدر: ص:۳۶۰

۴۱؎ نفس مصدر، ج: دوم، ص:۶

۴۲؎ نفس مصدر: ص:۱۳

۴۳؎ نفس مصدر: ص:۲۳

۴۴؎ نفس مصدر: ص:۳۷

۴۵؎ نفس مصدر: ص:۵۴

۴۶؎ نفس مصدر: ص:۸۹

۴۷؎ نفس مصدر: ص:۱۰۴

۴۸؎ نفس مصدر: ص:۱۰۶

۴۹؎ نفس مصدر: ص:۱۱۷

۵۰؎ نفس مصدر: ص:۱۳۴

۵۱؎ نفس مصدر: ص:۱۶۵

۵۲؎ نفس مصدر: ص:۱۹۰

۵۳؎ نفس مصدر: ص:۲۰۶

۵۴؎ نفس مصدر: ص:۲۲۱

۵۵؎ نفس مصدر: ص:۲۴۴

۵۶؎ نفس مصدر: ص:۲۶۹

۵۷؎ نفس مصدر: ص:۳۱۲

۵۸؎ نفس مصدر: ص:۳۳۰

۵۹؎ نفس مصدر: ص:۳۴۲

۶۰؎ نفس مصدر: ص:۳۵۱

۶۱؎ نفس مصدر: ص:۳۶۴

۶۲؎ نفس مصدر: ص:۳۸۴

۶۳؎ نفس مصدر: ص:۴۰۲

۶۴؎ نفس مصدر: ص:۴۱۷

۶۵؎ نفس مصدر: ص:۴۳۴

۶۶؎ نفس مصدر: ص:۴۷۳

۶۷؎ نفس مصدر، ج: سوم: ،ص:۲

۶۸؎ نفس مصدر: ص:۵

۶۹؎ نفس مصدر: ص:۲۸

۷۰؎ نفس مصدر: ص:۵۱

۷۱؎ نفس مصدر: ص:۶۹

۷۲ نفس مصدر: ص:۹۰
۷۳ نفس مصدر: ص:۱۰۴
۷۴ نفس مصدر: ص:۱۵۴
۷۵ نفس مصدر: ص:۱۷۳
۷۶ نفس مصدر: ص:۱۹۱
۷۷ نفس مصدر: ص:۱۹۵
۷۸ نفس مصدر: ص:۲۱۸
۷۹ نفس مصدر: ص:۲۳۱
۸۰ نفس مصدر: ص:۲۵۲
۸۱ نفس مصدر: ص:۲۶۱
۸۲ نفس مصدر: ص:۲۸۳
۸۳ نفس مصدر: ص:۳۰۱
۸۴ نفس مصدر: ص:۳۱۵
۸۵ نفس مصدر: ص:۳۱۹
۸۶ نفس مصدر: ص:۳۴۱
۸۷ نفس مصدر: ص:۳۷۸
۸۸ نفس مصدر: ص:۴۱۱
۸۹ نفس مصدر: ص:۴۳۱
۹۰ نفس مصدر: ص:۴۷۰
۹۱ نفس مصدر: ج:۱، ص:۵
۹۲ نفس مصدر: ص:۱۶۰
۹۳ نفس مصدر: ص:۲۸۹۔۲۶۸
۹۴ نفس مصدر: ج:۲،ص:۲۳
۹۵ نفس مصدر: ج:۲،ص:۴۱۸۔۴۱۷
۹۶ نفس مصدر: ج:۳،ص:۱۰۵

باب پنجم

اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک
ایک مطالعہ

فصل اول

مقدمہ اوجز المسالک ایک موضوعاتی مطالعہ

مولانا محمد زکریا جہاں علماء کے مابین علم حدیث سے اپنے تعلق کی بنا پر ممتاز ہیں وہیں اپنے دو عظیم الشان مقدموں کے لیے بھی جانے جاتے ہیں۔ جو انھوں نے حدیث کی دو اہم کتابوں یعنی صحیح بخاری اور موطا امام مالک کی شرحوں پر لکھے ہیں دونوں ہی مقدمے اہل علم کے مابین مقبول اور متداول ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تعلیق صحیح بخاری مسمیٰ بہ لامع الدراری پر جو مقدمہ انھوں نے تحریر کیا اس سے متعلق چوتھے باب کی پہلی فصل میں گفتگو ہو چکی ہے اس وقت موطا امام مالک کی شرح و تعلیق اوجز المسالک کے مقدمے پر گفتگو کی جائے گی اور ان کا موضوعاتی جائزہ لے کر اس کی اہمیت وعلمیت کو واضح کیا جائے گا اور اسی کے موضوعاتی جائزے سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آجائے گی کہ کیوں علماء ومحدثین ان کے مقدمہ اوجز کو دوسرے تمام مقدموں پر فضیلت و برتری دی ہے اور کیوں علمائے کرام اس مقدمے کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔

ہمارے پیش نظر نسخے کے مطابق اوجز المسالک کا مقدمہ بڑے سائز کے ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سارے صفحات باریک قلم سے لکھے گئے ہیں۔ یہ مقدمہ ایک تمہید اور سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سات فائدے ہیں۔ دوسرا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں پانچ فائدے ہیں اور دوسری فصل میں دس فائدے ہیں۔ تیسرا باب پانچ فائدوں پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں نو فائدے ہیں۔ پانچویں باب کو فصلوں یا فائدوں میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے۔ چھٹا باب سات فائدوں پر مشتمل ہے اور ساتویں باب کو بھی پانچویں باب کی طرح فصلوں اور فائدوں میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے۔

پہلا باب علم حدیث سے متعلق چیزوں کے بیان میں ہے۔ دوسرا باب کتاب موطا اور اس کے

مصنف کے بیان میں ہے۔ تیسرا باب موطا پر لکھی گئی مصنف کی تعلیق کے بیان میں ہے۔ چوتھے باب میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں کتب حدیث میں کثیر الاستعمال الفاظ کی توضیح کی گئی ہے۔ چھٹے باب میں متفرقات کو بیان کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں ان چند اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا جاننا طالبان حدیث کے لیے ضروری ہے۔

تمہیدی گفتگو کا آغاز حمد وصلوٰۃ سے کیا گیا ہے۔ اور پھر بعد کی سطروں میں اس تعلیق کو لکھے جانے کا پس منظر بیان کیا گیا ہے اور مقدمہ کے باب سازی اور فصل سازی سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

پہلے باب کے پہلے فائدے میں علم حدیث کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس کی تعریف میں مختلف علماء کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں منقول اختلاف کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر اخیر میں الاوجہ فی حدہ کہہ کر مصنف کی جانب سے علم حدیث کی تعریف کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم حدیث کا اطلاق اس علم پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے اللہ کے رسول ﷺ کے احوال قولی فعلی تقریری اور صفتی کو جانا جائے۔ دوسرے فائدے میں علم حدیث کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ علم حدیث کا موضوع نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور وہ بھی نبی ہونے کی حیثیت سے۔ تیسرے فائدے میں علم حدیث کی بزرگی شرافت اور برتری کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں اس علم کی غرض وغایت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور مختلف احادیث کے حوالے سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی اقوال مقدسہ کی روشنی میں اور اکابرین ومشائخ کی کتابوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم حدیث بڑی فضیلت والا علم ہے اور اسی بنا پر اکابرین ومشائخ اس علم شریف کے ساتھ اہتمام کرتے چلے آئے ہیں۔ چوتھے باب میں کتابت حدیث کی ابتدا اور تدوین احادیث کی کیفیت سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے حدیث کے لکھنے کا آغاز باضابطہ کتب ورسائل کی شکل میں زمانہ تابعین کے آخری زمانے میں ہوا اور اس سبب کا بھی خلاصہ کیا گیا ہے کہ آخر کیوں عصر نبوی میں باضابطہ کتب ودواوین کی شکل میں کتابت حدیث کا آغاز کیوں نہیں ہوا اور واضح کیا گیا ہے کہ ایسا نہ کیے جانے کے پیش نظر دو وجہیں تھیں اولاً یہ خوف کہ کہیں قرآن کریم کی آیتیں احادیث کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں انہیں اپنے حافظے اور یادداشت پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے

کتابت حدیث کے ذریعہ احادیث رسول کی حفاظت کو اپنے حافظے کی توہین سمجھی۔ پانچوین فائدے میں اس علم کے متفرقات سے ایک مختصری گفتگو کی گئی ہے۔[1]

دوسری بات جو دو فصلوں پر مشتمل ہے اس کے پہلے فصل میں مصنف کتاب یعنی امام مالکؒ سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ پہلی فصل کے پہلے فائدے میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ولادت پر جامعیت کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے فائدے میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے فضائل ومناقب پر گفتگو کی گئی ہے اور ان علماء اکابرین کا بھی مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے امام صاحب کی فضیلت وبزرگی پر قلمی خدمات پیش کی ہیں۔ تیسرے فائدے میں امام مالک کے مشائخ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مختلف علماء کے حوالے سے ان کے شیوخ کی تعداد متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ امام صاحب کے مشائخ کی صحیح تعداد شمار مشکل ہے البتہ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد نوسو سے زیادہ بتائی گئی ہے مذاہب اربعہ کے وجود میں آنے پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھے فائدے میں امام مالکؒ کے ذیشان تلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بھی یہ صراحت کی گئی ہے کہ ان کے تلامذہ کا حصر وشمار کسی نے نہیں کیا ہے البتہ خطیب بغدادی نے ان سے روایت کرنے والوں پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں نوسو ترانوے راویان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پانچویں فائدے میں موطا کے علاوہ امام مالک کی دیگر تالیفات وتصنیفات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اور یہ خلاصہ کیا گیا ہے کہ موطا کے علاوہ امام صاحب کی اور بہت سی تصنیفات ہیں اسی میں آپ کا آداب ومواعظ پر وہ رسالہ ہے جسے آپ نے ہارون الرشید کو بھیجا تھا۔ اسی میں کتاب الاقضیہ ہے اور اسی میں مدد کبریٰ بھی جو امام صاحب کی جانب منسوب ہے اور اسی کتاب پر مذہب مالکی کا دارومدار بھی ہے۔ دوسرے باب کی دوسری فصل کے پہلے فائدے میں موطا شریف کی فضیلت وبزرگی علما کے مابین اس کی قدر ومنزلت اور مشائخ کے درمیان اس کی قبولیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ابوبکر بن العربی کی شرح ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ موطا اصلِ اوّل ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی اور انہیں دونوں بنیادوں پر دوسرے محدثین مثلاً امام مسلم اور امام ترمذی نے اپنے مجموعات حدیث کی بنیادیں رکھیں ہیں۔ دوسرے فائدے میں کتب حدیث کے درمیان موطا امام مالک کی

قدر و منزلت اور اس کے درجے کو واضح کیا گیا ہے اور جمہور کی زبانی اس کی صراحت کی گئی ہے کہ موطا کا شمار کتب حدیث کے طبقات میں پہلے طبقے میں ہے۔ تیسرے فائدے میں اس مجموعہ احادیث کو موطا سے موسوم کیے جانے کی وجہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں زیادہ مناسب وجہ تسمیہ وہ ہے جو خود امام مالک سے منقول ہے کہ میں نے اس مجموعۂ احادیث کو ستر فقہا مدینہ کے سامنے پیش کیا تو سب نے مواطئت (موافقت) کی اس لیے میں نے اس کا نام موطا (بمعنی متفق) رکھ دیا۔
چوتھے فائدے میں موطا میں امام مالک کے منہج کو واضح کیا گیا ہے اور موطا کے خصائص پر مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ امام مالک باب کی مناسبت سے فقہی مسائل ذکر کرتے ہیں۔ جب وہ عن الثقۃ عن بکیر بن عبداللہ الاشج کہتے ہیں تو ثقہ سے مراد مخرمۃ بن بکیر ہوتے ہیں جب وہ عن الثقۃ عن عمرو بن شعیب کہتے ہیں تو ان کی مراد عبداللہ بن وہب سے ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دوسری خصوصیات کو بھی وضاحت سے لیکن اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

پانچویں فائدے میں موطا کے راویوں سے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس کے مختلف نسخوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مبحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤطا کے سولہ نسخے ہیں جو الگ الگ راویوں سے منقول ہیں۔ پہلا نسخہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی متوفی ۲۰۴ھ کا ہے۔ دوسرا نسخہ ابن وہب ابو محمد عبداللہ بن وہب (متولد ۱۲۵ھ) کا ہے۔ تیسرا نسخہ ابن القاسم ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم متوفی ۱۹۱ھ کا ہے۔ چوتھا نسخہ معن بن عیسیٰ متوفی ۱۹۸ھ کا ہے۔ پانچواں نسخہ قعنبی ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ متوفی ۲۲۱ھ کا ہے۔ چھٹا نسخہ عبداللہ بن یوسف ابی محمد دمشقی متوفی ۲۱۸ھ کا ہے۔ ساتواں نسخہ یحییٰ بن عبداللہ قرشی مخزومی متوفی ۲۳۱ھ کا ہے۔ آٹھواں نسخہ سعید بن عفیر متوفی ۲۲۶ھ کا ہے۔ نواں نسخہ ابومصعب زہری متوفی ۲۴۲ھ کا ہے۔ دسواں نسخہ مصعب بن عبداللہ زہری متوفی ۲۳۶ھ کا ہے۔ گیارہواں نسخہ محمد بن مبارک صوری متوفی ۲۱۵ھ کا ہے۔ بارہواں نسخہ سلیمان بن برد کا ہے۔ تیرھواں نسخہ ابوحذافہ سہمی متوفی ۲۵۹ھ کا ہے۔ چودھواں نسخہ سوید بن سعید متوفی ۲۴۰ھ کا ہے۔ پندرھواں نسخہ محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا ہے۔ سولھواں نسخہ یحییٰ بن یحییٰ تمیمی متوفی

۲۲۶ھ کا ہے۔

چھٹے فائدے میں یحیٰ بن یحیٰ اندلسی کے نسخے پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور راوی کے حالات وکوائف علمی اٹھان پر جامع بحث کی گئی ہے۔ ساتویں فائدے میں موطا کے روایات کی تعداد پر کلام کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ موطا میں امام مالک نے دس ہزار احادیث کو جمع کیا تھا لیکن غور وفکر کے بعد اس میں لگاتار کمی ہوتی رہی یہاں تک کہ ابوبکر الابہری کے مطابق ایک ہزار سات سو بیس رہ گئیں۔ ان میں سند کی صرف چھ سو ہیں۔ آٹھویں فائدے میں مشائخ کے اس اختلافی قول کی توجیہ کی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلا صحیح حدیثی مجموعہ موطا ہے یا بخاری۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ دونوں کتابوں کو مشائخ کا پہلی صحیح قرار دینا دو الگ الگ اعتباروں سے ہے اس لیے مشائخ کے اقوال میں کوئی اختلاف اور کوئی تعارض نہیں ہے۔

نویں فائدے میں موطا کے مراسیل وبلاغات پر ایک مختصر جامع اور علمی گفتگو کی گئی ہے اور اس سلسلے میں مختلف ائمہ حدیث کے حوالے سے موطا کے مراسیل وبلاغات اور اس میں مذکور حدیث کی دوسری انواع پر کلام کیا گیا ہے ابن حزم کے مطابق موطا کے مراسیل کی تعداد تین سو سے زائد ہیں اور ستر احادیث ایسی ہیں جن پر امام مالک نے خود ہی عمل چھوڑ دیا تھا اور کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں۔

دسویں فائدے میں موطا کی شرحوں اور اس کے حاشیوں پر ایک عمدہ بحث سپرد قلم کی گئی ہے۔ قاضی عیاض (م) اور ابن فرحون (م) کے مطابق موطا کے شارحین ومحشی کی تعداد نوے بتائی گئی ہے اور مشہور شرحوں میں ابو محمد عبداللہ بن محمد بیطلوسی (متوفی ۲۱ھ) کی مقتبس ہے۔ اسی میں ابن رشیق قیروانی متوفی ۴۵۹ھ کی التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید کا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی شرحوں کے اسماء ذکر کرکے ان کے مصنفین وشارحین کے مختصر حالات بھی قلم بند کیے گئے ہیں۔[۲]

تیسرے باب کے پہلے فائدے میں مولف کتاب اوجز المسالک خود اپنے حالات وکوائف نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ دوسرے فائدے میں مؤلف نے اپنے مشائخ کا تذکرہ نہایت محبت و احترام کے ساتھ کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ اپنے والد گرامی مولانا یحییٰ اور اپنے شیخ ومرشد اور استاذ

حدیث مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسرے فائدے میں علامہ نے اپنے سلاسل اسنادحدیث پر گفتگو کی ہے اور نقشہ بنا کر اس کو واضح بھی کیا ہے۔

اس سلسلے کے تمام اکابرین کا اختصار و جامعیت کے ساتھ ایک تعارفی خاکہ بھی پیش کیا ہے۔ اس گفتگو کا ملخص یہ ہے کہ ان کے پاس سند حدیث کے دو سلسلے ہیں۔ پہلا سلسلہ وہ ہے جو ان کو اپنے والد سے حاصل ہوا ہے اور دوسرا سلسلہ وہ ہے جو ان کو ان کے استاذ اور شیخ و مرشد مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سے حاصل ہوا ہے ان دونوں سلسلوں میں مختلف شاخیں ہیں جو مختلف شجروں سے نکلتی ہیں۔ چوتھے فائدے میں اوجزالمسالک کے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا مصنف نے اپنے اس تعلیق میں اہتمام کیا ہے۔ پانچویں فائدے میں ان کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا مصنف نے اپنی اس تعلیق میں اہتمام کیا ہے۔ پانچویں فائدے میں ان کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے اوجزالمسالک کے جزء اول کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔[۳۰]

چوتھے باب میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے فائدے میں امام ابوحنیفہ کے حالات زندگی نام و نسب سیرت و خصائل علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور آپ کا سراپا بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کی وفات کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے فائدے میں ان کے فضائل و مناقب اور اکابرین و مشائخ محدثین و فقہا سے منقول اقوال و ارشادات کو نقل کیا گیا ہے۔ ان کے مطالعے سے امام صاحب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کے بلند علمی ستون سے آشنائی ہوتی ہے۔ امام مالک نے آپ سے ملاقات کے بعد یہ تاثر دیا کہ یہ شخص اگر کسی ستون کو سونے کا کہہ تو ویسا ہی ہو جائے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو فقہ میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ زہد و ورع اور ایثار کے اس مرتبے پر فائز ہیں کہ دوسرا اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ تیسرے فائدے میں امام ابوحنیفہ کے تابعی ہونے کے مسئلے کو چھیڑا گیا ہے۔ اس میں علما کا اختلاف ہے کہ وہ تابعی ہیں یا نہیں۔ اس فائدے میں مصنف کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کے یہاں تابعی دو طرح کے ہوتے۔ پہلا وہ تابعی جس نے کسی صحابی کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو اور دوسرا وہ تابعی جس کو کسی صحابی سے زیارت کے

ساتھ روایت کا شرف بھی حاصل ہو۔ امام ابوحنیفہ کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے روایت کا شرف حاصل کیا ہے یا نہیں اور جہاں صرف زیارت سے تابعی ہونے کا سوال تو اس بارے میں جمہور کا مسلک یہی ہے کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کی زیارت کی ہے جن میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ اور جہاں تک تابعی سے روایت کرنے کا سوال ہے تو اس بارے میں قابل اعتماد رائے یہی ہے کہ آپ اس طور پر بھی تابعی ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ چوتھے فائدے میں امام صاحب کے پایۂ حدیث پر گفتگو کی گئی ہے۔ بظاہر دیکھا جائے تو یہ بات بڑی عجیب سی لگتی ہے کہ اتنے بڑے مجتہد مطلق امام کے علم حدیث میں رسوخ پر گفتگو کی جارہی ہے لیکن چوں کہ بعض حلقوں کے جانب سے ان کے پایۂ حدیث پر نقد و جرح کیا گیا ہے اس لیے مصنف نے اس بحث کو قائم کر کے اکابرین ومشائخ اور آپ کی مرویات کے حوالے سے اس حقیقت کو مستند کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث میں بھی ان کا پایہ علمی بہت بلند تھا۔ حدیث میں ان کے بلند قد کا اندازہ صرف اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے حماد کو پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیث چن کر محفوظ کرنے کے لیے دیا تھا۔ پانچویں فائدے میں محدثین کے یہاں متعارف طریقے پر حدیث کی قلت روایت پر بحث کی گئی ہے اور گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کے متعارف طریقے پر آپ کی قلت روایت کے بہت سے اسباب ہیں اور منجملہ اسباب میں یہ ہے کہ آپ چوں کہ استنباط مسائل میں زیادہ مشغول تھے جو اس وقت سب سے اہم ضرورت تھی اس لیے آپ اس طرف توجہ نہیں دے سکے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے یہاں روایت حدیث کی شرطیں سخت تھی کہ دوسروں کے لیے اس کا التزام ممکن نہیں تھا۔ بعد کے محدثین نے توسیع سے کام لے کر اس میں تھوڑی آسانی پیدا کر دی تھی اس لیے آپ سے روایت بہت کم ہوئی اور بعد کے محدثین سے زیادہ۔ چھٹے فائدے میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو برا بھلا کہا ہے اور پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی بہت سے اسلاف واخلاف نے آپ پر جرح وتنقید کی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کا رتبہ بہت بلند ہے اور اس طرح کی تنقید پر کوئی توجہ نہ دی جائے اور اکابرین کے حوالے سے آپ نے امام ابوحنیفہ بلند رتبے کو بیان کیا گیا ہے

اور پھر اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ناقدین دو طرح کے ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن تک غلط چیز پہنچی اور اس کی بنا پر انھوں نے کوئی حکم لگایا اور بعد میں جب غبار صاف ہوا تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کیا ان میں امام اوزاعی وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے وہ معاصرین ہیں جنھوں نے یا تو مذہبی تعصب یا پھر دنیاوی منافعت کی وجہ سے کوئی بات کہی۔ متاخرین میں جن لوگوں نے آپ پر جرح کی ہے اولاً تو مدح وثنا میں رطب اللسان متقدمین ومتاخرین کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ ان کے سامنے تھوڑے سے لوگوں کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ معاصرین کی تنقید دوسرے معاصر کے حق میں بہر صورت مقبول ہو تو چاروں ائمہ میں کوئی جرح سے پاک نہیں رہ سکیں گے۔ اور اسی سے دین کھلواڑ بن کر رہ جائے گا کیوں کہ ابن معین نے امام شافعی پر تنقید کی ہے۔ ابن ابی ذئب وغیرہ نے امام مالک پر تنقید کی ہے۔ اکابر ائمہ کا عمل یہ رہا ہے کہ وہ توسع سے کام لیتے تھے اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھتے تھے اور یہی ہمارے لیے بھی نمونہ عمل ہے۔

ساتویں فائدے میں امام ابوحنیفہ کے مشائخ کو بیان کیا گیا ہے امام ابوحفص کے مطابق آپ کے مشائخ کی تعداد چار ہزار ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے تابعی شیوخ کی تعداد چار ہزار ہے۔ اسی لیے امام شعرانی شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مستدلات مذہب خیار تابعین سے منقول ہیں جن میں کوئی بھی کذب سے متہم نہیں ہے اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہے تو یہ ضعف ان کے بعد کے راویوں کی جانب سے آیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے مذہب کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آٹھویں فائدے میں امام ابوحنیفہ کے تلامذہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کے تلامذہ کی صحیح تعداد کا شمار مشکل ہے اور اسی وجہ سے بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ ائمہ اسلام میں کسی کے بھی اتنے تلامذہ نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہ کے تھے اور جتنا علما نے اور عام لوگوں نے ان سے اور ان کے تلامذہ سے احادیث کی تفسیر واستنباط میں نفع اٹھایا اتنا کسی سے نہیں اٹھایا۔ آپ کے تلامذہ میں عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد، مالک بن انس، اور مسعر بن کدام جیسے ائمہ وقت شامل ہیں۔ قاضی ابو یوسف محمد بن حسن شیبانی وکیع بن الجراح، داؤد طائی اور نوح بن مریم جیسے کہکشاں کا تعلق بھی آپ ہی کی ذات سے ہے۔ نویں فائدہ میں امام ابوحنیفہ کے

مذہب کی بنیادوں سے کلام کیا گیا ہے۔اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو جو اصحاب رائے کہا جاتا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ حضرات سنت رسول ﷺ پر اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے اور نہ ہی اس سے مقصود ان کی اہانت ہوتی تھی بلکہ ایسا ان اصحاب کی دقت نظری کی بنا پر کہا جاتا تھا۔کیوں کہ خود امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ آپ اپنے مستدلات کے لیے سب سے پہلے قرآن سے استدلال کرتے اگر وہاں مسئلے کا حل نہیں ملتا تو سنت رسول ﷺ میں تلاش کرتے اگر وہاں بھی حل نہیں ہوتا تو صحابہ کے اقوال سے مسئلے کا حل چاہتے اور اگر صحابہ کے مذہب میں اختلاف ملتا تو قرآن وسنت کے قریب جو قول ملتا آپ اس پر عمل کر لیتے اور ان کے اقوال سے خروج نہیں کرتے ،لیکن اگر مسئلے کا تصفیہ یہاں بھی نہیں ہوتا تو آپ اقوال تابعین سے استدلال نہیں کرتے بلکہ آپ بھی ان کی طرح اجتہاد کرتے۔[۴]

پانچویں باب میں اصطلاحات حدیث پر گفتگو کی گئی ہے۔متن،سند،اسناد،مسند،مرسل کی تعریف کی گئی اور اس سلسلے میں اگر کوئی اختلاف منقول ہے تو اسے بھی ذکر کیا گیا ہے۔مراسیل کے پایہ استناد پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔حدثنا اخبرنا جیسی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔مرفوع،موقوف،اثر پر بحث کی گئی ہے۔عن رجل عن شیخ جیسی اصطلاحوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔نفعل کذا عن السنۃ کذا جیسی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔روایت بالمعنی کا مطلب اور اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں مذاہب محدثین بیان کیے گئے ہیں ان کے علاوہ علم حدیث کی دیگر اصطلاحوں پر اختصار وجامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔[۵]

چھٹے باب کے پہلے فائدے میں آداب محدث پر شاندار گفتگو کی گئی ہے۔بحث کا ماحصل یہ ہے کہ روایت حدیث ایک عظمت وبزرگی والا کام ہے اس لیے محدث کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ خالص دینی کام میں مشغول ہے اس لیے کبھی بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو اس علم کے علوشان کے منافی ہو۔اخلاص نیت طہارت قلب اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں کی نشر واشاعت کا جذبہ ہمیشہ غالب رہنا چاہیے۔ان کے علاوہ اور دوسری باتوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔جو اکابر محدثین سے منقول ہیں۔اور جن کی پاس داری ایک محدث کے لیے از حد ضروری ہے۔دوسرے فائدے میں مراتب اہل حدیث پر گفتگو کی گئی

ہے۔ حافظ محدث اور مسند اور حجت کی تعریف کی گئی ہے۔ فرق مراتب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے فائدے میں طالبان حدیث کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ ایک باوقار اور باعزت علم ہے اس لیے اخلاص وطہارت قلب، دنیا سے نفرت، وغیرہ دوسرے عمدہ شمائل سے طالبان حدیث کا آراستہ ہونا ضروری ہے۔ اور حدیث کے ایک طالب علم کے لیے کن کن علوم کا مقدمے کے طور پر جاننا ضروری ہے اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور پھر مشائخ واکابرین حدیث کے حوالے سے ان آداب ورسوم کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی حفاظت ایک طالب علم کے لیے ضروی ہے اور ان سارے علوم حدیث سے رغبت وانہماک کی دعوت دی گئی ہے جن سے آراستہ ہونے کے بعد ہی ایک شخص کامل دسترس رکھنے والا محدث بن سکتا ہے۔ چوتھے فائدے میں تحمل حدیث سے متعلق بیان کیا گیا ہے اس بارے میں علما کا اختلاف کہ شیخ کی بارگاہ میں قرات حدیث شیخ سے الفاظ حدیث کی سماعت کے برابر ہے یا نہیں اس سلسلے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ سماع حدیث قرات حدیث سے بہتر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قرات حدیث سماع حدیث سے بہتر ہے۔ پانچویں فائدے میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ کس عمر سے تحمل واداء حدیث درست ہے۔ اس سلسلے میں مشائخ کا اختلاف ہے کچھ لوگوں کا قول تیس سال کے بعد کا اور کچھ کا بیس سال کے بعد کا۔ بعض لوگوں نے ابتدائی عمر پانچ سال کو قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جب ہوش مند ہو جائے باتوں میں تمیز کر سکے، گفتگو کو اچھی طرح سمجھ سکے تبھی سے اس کا تحمل واداء حدیث درست ہو جائے گا۔ چھٹے فائدے میں شیخ ابوعمر بن الصلاح کے اس قول کو ذکر کیا گیا ہے کہ اسانید متصلہ کے ساتھ روایت اصل ومقصود نہیں ہے۔ بلکہ مقصود اس سلسلے کو باقی رکھنا ہے جو امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔ ساتویں فائدے میں بحرانی کے اس قول کو ذکر کیا گیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اس شخص کی روایت نہیں لی جائے گی جو سماع احادیث میں تساہل کرتا ہو اور اس کا سماع سونے والے کے حالت سماع کی طرح ہو یا بے توجہی برتتا ہو اور ایسی باتیں بیان کرتا ہو جو کسی اصل صحیح سے یا عرف مقبول سے ثابت نہ ہوں یوں ہی اپنی روایات کثرت کے ساتھ بھولتا ہو اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ کسی تصحیح شدہ کتاب سے روایت نہ کر رہا ہو۔ یا کثرت کے ساتھ شاذ ومنکر احادیث بیان

کرتا ہو۔[۶]

ساتویں باب میں ان چند اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا جاننا طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً کوئی حدیث جس کی کوئی صحیح سند نہ ہو لیکن تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کی صحت کا حکم لگایا جائے گا اکثر احادیث حسن کے درجے پر ہوتی ہیں اور وہ عام فقہا کے یہاں مقبول ہیں۔ عادل ہونے کی پہچان دو یا اس سے زائد عادل گواہوں کی صراحت سے ہوتی ہے البتہ جن کا عادل ہونا اہل نقل وغیرہ علما کے یہاں مشہور ہو اور ان کی مدح وثنا عام ہو تو اتنا ہی ان کی عدالت کے لیے کافی ہے۔ صحیح بخاری کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مصنف نے اپنی کتاب میں صحت کی وہ شرطیں لگائی ہیں جو دوسرے مصنّفین نے نہیں لگائی ہیں۔ اور یہ حکم مجموعی ہے جزئی اور انفرادی نہیں۔ یوں احادیث کے صحیح ہونے کا حکم اجتہادی ہوتا ہے اس لیے ممکن ہے کہ ایک تصحیح کردہ حدیث دوسرے کے یہاں صحیح نہ ہو۔ (نفس مصدر، ص: ۸۵۔۸۸)

یہاں پر آ کر اوجز المسالک کا مقدمہ ختم ہو جاتا ہے اور مصنف اپنے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ مقدمے کی تکمیل کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس فصل میں مقدمے کے اندر جتنے بھی مباحث تھے سب پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی گئی ہے جو مفصلاً مقدمے کے مباحث سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہوں اور اس میں ودیعت کردہ موتیوں کو چننا چاہتے ہوں انہیں پورے مقدمے کو کھلی آنکھ اور روشن دل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس مقدمے کی تسوید سے مصنف ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں فارغ ہوئے لیکن دوبارہ اشاعت کے وقت ۱۳۸۴ھ میں اس میں مزید کچھ اضافے کیے گئے۔

فصل دوم

اوجز المسالک کی علمی خصوصیات اوراس کے مصادر

کسی بھی کتاب کی اہمیت اس کی علمی خصوصیات سے ہی جانی جاتی ہے اور انہی خصوصیات کے ذریعہ کتاب کی قدر ومنزلت کا صحیح اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اسی گوشے سے مطالعہ کیا جائے تو مصنف کی تمام تالیفات بڑی علمی خصوصیات کی حامل ہیں۔ چاہے لامع الدراری کا مطالعہ کریں یا ان کی کسی اور کتاب کا سب کی سب نمایاں خصوصیات کی حامل ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتابوں کی بعض خصوصیات کی جانب خود بھی مقدمے میں اشارہ کردیا ہے اس کے علاوہ پوری کتاب پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تب بھی کتاب کی علمی خصوصیات نمایاں ہوجاتی ہیں۔ اوجز المسالک کے مقدمے میں مصنف کتاب کی بعض علمی خصوصیات کی جانب اور اپنے بعض منہج پر مستقل ایک فائدے میں گفتگو کی ہے۔ اس فائدے کی روشنی میں کتاب کی مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

(۱) اس کے اکثر مباحث اکابر مشائخ سے منقول ہیں اور اپنی جانب سے کسی طرح کا کوئی اختراع نہیں کیا گیا ہے۔ کیوں کہ علوم نقلیہ میں اختراع سے کام لینا شامت اعمال کا باعث ہے۔ ہاں اگر کوئی روایت واضح نہیں ہے تو اس کی وضاحت علماء سے منقول نہ ہونے کی صورت میں اپنے وسیع مطالعے کی روشنی میں کردی گئی ہے۔

(۲) اگر کہیں چند روایتیں باہم سرگریباں ہیں اور اکابرین نے اس کی کوئی تطبیق نہیں پیش کی ہے تو ایسی صورت میں مصنف کو اپنے مطالعے کی روشنی میں کوئی تطبیق سمجھ میں آتی ہے تو وہ تطبیق پیش کردی گئی ہے اور اگر علماء سے تطبیقیں منقول تھیں لیکن مصنف کو کوئی نئی تطبیق سمجھ میں آتی ہے تو اس کو پیش کردیا گیا ہے۔

(۳) جو گفتگو کہیں سے لی گئی ہے اس گفتگو کا انتساب اس کے صاحب کی طرف اکثر کر دیا گیا ہے۔ ہاں جو کچھ علامہ زرقانی اور بذل المجہود شرح ابوداؤد سے لیا گیا ہے اس کا انتساب اکثر ترک کر دیا گیا ہے کیوں کہ مصنف نے ان دونوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور بہت کثرت کے ساتھ اقوال نقل کیے ہیں۔ بلکہ اس تعلیق یعنی اوجز المسالک کو انھی دونوں کی گفتگو کا خلاصہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۴) سند حدیث کے رجال پر جو گفتگو جرح وتعدیل کی صورت میں ذکر کی گئی ہے۔ وہ حافظ ذہبی کی تقریب وتعجیل سے لی گئی ہے اور یوں ہی جامع الاصول کے رجال کی نقل کی گئی ہے البتہ اکثر اس کا انتساب نہیں کیا گیا ہے اور ایسا اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ ہاں اگر ان کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب سے جرح وتعدیل کی کوئی گفتگو نقل کی گئی تو اس کتاب کی صراحت کر دی گئی ہے۔ اور قائل کی جانب نسبت کر دی گئی ہے۔

(۵) جب بھی کسی راوی کے حالات وکوائف ذکر کیے گئے ہیں۔ تو التزام اس بات کا کیا گیا ہے کہ اگر ان کا تذکرہ بار بار آ رہا ہے تو پہلی سند میں ہی اس کا تذکرہ کر دیا جائے۔ مصنف اپنے مقدمے کے تیسرے باب کے چوتھے فائدے میں اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ انھوں نے کتاب کے آخر میں ایک فہرست شائع کر دی ہے جس میں اس کی وضاحت موجود ہے کون سے راوی کے حالات کہاں بیان کیے گئے ہیں اور اس طرح رجال موطا کے سلسلے میں مستقل رسالے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے کوئی فہرست نہیں ملی جس میں رجال موطا کا اجتماعی تذکرہ ہو اور جس میں اس کی کوئی صراحت ہو کہ کس راوی کا حال کتاب کے کس حصے میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر ایسی کوئی فہرست مصنف نے تیار کی تھی تو شاید ناشرین نے اس کی اشاعت کا اہتمام نہیں کیا ہے یا ممکن ہے کہ مصنف کے زمانہ طباعت میں وہ فہرست چھپی اور بعد میں نکال دی گئی ہو۔ بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ جس فہرست کا مصنف نے تذکرہ کیا ہے وہ ہمارے پیش نظر نسخے میں موجود نہیں ہے اور اگر وہ فہرست موجود ہوئی تو واقعی موطا پر پڑھنے

والوں کے خصوصاً اور علم حدیث اور رجال حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے عموماً بڑا سرمایہ ثابت ہوتی۔

(۶) موطا میں امام مالک کی مراسیل اور تعالیق کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور اس کی استنادی حیثیت پر علما نے گفتگو بھی کی ہے لیکن مصنف نے بڑا اچھا کام یہ کیا ہے کہ ان مراسیل وتعالیق کے اتصال کو بقدر امکان ثابت کیا ہے اور اس طرح امام مالک کی بہت سی مراسیل وتعالیق، مراسیل وتعالیق نہ رہ کر حدیث مسند متصل کے درجے تک پہنچ گئی ہیں۔ یہ مصنف کی بڑی علمی خدمت ہے اور وہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی جانب سے اپنی اس خدمت کے لیے انعام واکرام کے مستحق ہیں۔

(۷) موطا اصلاً مالک سے متعلق ہے لیکن مصنف مسائل حدیث پر گفتگو کرتے وقت چاروں مسالک پر گفتگو کی ہے اور چاروں مسالک کے ائمہ واکابرین سے اقوال نقل کیے ہیں اور بڑی امانت داری کے ساتھ چاروں مذاہب کے مصادر ومراجع سے ان کے مسائل ودلائل کو اختصار وجامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مصنف حالاں کہ حنفی ہیں لیکن جس کثرت کے ساتھ انھوں نے مذہب مالکی اور دیگر مسالک کے اقوال ودلائل نقل کیے ہیں اور جتنی امانت داری کے ساتھ نقل کیے ہیں اس سے مصنف کے وسعت علمی اور مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب مالکی کے مصادر تک ان کی رسائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف اتنی کثرت کے ساتھ مذہب مالکی کے اقوال نقل کیے اور ان کے دلائل اتنے اہتمام کے ساتھ ذکر کیے ہیں کہ عصر حاضر کے مشہور عالم دین علامہ سید محمد علوی مالکی نے اوجز المسالک پر اپنا یہ تبصرہ لکھا کہ اگر مصنف نے اپنے آپ کو حنفی ذکر نہ کیا ہوتا تو میں انھیں کبھی حنفی نہ سمجھتا۔ بہر حال مذاہب اربعہ کو تو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کو نہیں بیان کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے بہت زیادہ کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری دنیا میں مذاہب اربعہ ہی کے ماننے والوں کی غالب اکثریت ہے اور تقی الدین بن الصلاح کے مطابق ائمہ اربعہ کی تقلید متعین ہے دوسروں کی تقلید درست نہیں ہے کیوں کہ ان کے مذاہب مشہور ومتداول ہیں ان کے علاوہ اور دوسرے مشائخ نے بھی ائمہ اربعہ کی تقلید

کے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۸) بیان مذاہب میں اکثر ائمہ اربعہ کی فروعی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے محض شارحین حدیث کے اقوال پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ ان کے اقوال باہم مختلف ہوتے ہیں اور اکثر نقل میں بھی ان سے غلطی واقع ہوتی ہے۔

(۹) مذہب مالکی کی کتابوں سے مراجعت میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی گئی ہے کہ اصل کتاب ہی ان کے مسلک پر ہے اور ان کے مسلک کی احادیث کی تائید مدونہ وغیرہ کے حوالے سے امام مالک کے اقوال نقل کر کے کر دی گئی ہے۔

(۱۰) احناف کے دلائل کو اکثر جگہ پر اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے کہ ہندو پاک کے طلبا کے لیے اس کی شدید ضرورت تھی کیوں کہ وہ اکثر مسلک حنفی سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے ائمہ کے دلائل کو اختصار کے پیش نظر اور اس بات کے مدنظر کہ وہ خود بھی حنفی ہیں اور ہندو پاک میں دیگر مسالک کے مآخذ کا ملنا بھی مشکل ہے۔

(۱۱) تمام ائمہ اربعہ ومشائخ کی شان میں کسی طرح کی کوئی گستاخی یا بے ادبی سے مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے بعض کے اقوال کی بعض پر ترجیح سے گریز نہیں کیا ہے۔ لیکن پھر بھی گستاخی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہونے دیا گیا ہے۔ اور یہ واقعی مصنف کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام ائمہ کے مسائل میں کوئی نہ کوئی صحابی ان کے مقتدی اور پیشوا ہیں اور صحابہ سب کے سب رشد وہدایت کے ستارے ہیں اور جتنے ائمہ ہیں سب کے سب اپنی کوششوں میں اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ اس کے باوجود مصنف نے یہ واضح کر دیا ہے کہ میں اپنی ذات کو پھر بھی بری نہیں سمجھتا اور مغفرت وبخشش کا طلب گار ہوں۔

(۱۲) حدیث شریف میں اگر کوئی لفظ ایسا وارد ہوا ہے جس کا تلفظ واضح نہیں ہے تو لغت کی کتابوں سے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس کا معنی بھی بتا دیا گیا ہے۔

(۱۳) رجال حدیث میں کسی نام کا کوئی تلفظ واضح نہیں ہے تب بھی رجال حدیث کی کتابوں سے اس کی

صراحت کردی گئی ہے۔

(۱۴) کہیں کہیں موقع کی مناسبت سے فارسی اشعار بھی ذکر کیے گئے ہیں کبھی عربی میں اس کا ترجمہ بھی ذکر کردیا گیا ہے اور کبھی ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر اردو اشعار بھی نقل کر کے اس کا ترجمہ ذکر کردیا گیا ہے اور کبھی ترجمہ چھوڑ بھی دیا گیا ہے۔

(۱۵) ضرورت پڑنے پر اور وضاحت حدیث کے لیے صوفیا کے اقوال اور اس سے متعلق ان کے معمولیات ورسوم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۶) ہندوستانی علما میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی المصفی کے حوالے سے کافی گفتگو کی گئی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ کے اقوال بھی کافی ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱۷) اپنے مشائخ میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری کے اقوال بہت کثرت سے نقل کیے گئے ہیں اور ان کی بذل المجہود کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔

(۱۸) شرح کرتے وقت دوسرے ائمہ کے کلام اور اپنی گفتگو میں قلت کہہ کر یا اپنی توجیہات وتاویلات اور تطبیقات کو 'والذی ظهر للعاجز الفقیر' یا اس جیسے الفاظ سے ممتاز کیا گیا ہے۔

(۱۹) اس شرح میں اکثر مقامات پر مولانا رشید احمد گنگوہی کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔

(۲۰) اس شرح میں شرح کرتے وقت مختلف فیہ مسائل میں مسلک صوفیا کی تائید کی گئی ہے۔ مثلاً توجہ، زیارت کی نیت سے نبی کریم ﷺ کی قبر کی جانب سفر، پیٹھ پیچھے کی حرکت واعمال کا نبی پاک ﷺ کا مشاہدہ کرنا، معراج میں رسول اکرم ﷺ کا اپنی آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار کرنا۔ بیعت وارادت، خلافت واجازت جیسے مسائل کی بھی تائید کی گئی ہے۔

مکہ شریف افضل ہے یا مدینہ اس پر بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل جو علمائے ہند کے مابین خصوصیت کے ساتھ مابہ النزاع ہیں ان میں وہ سنی بریلوی حضرات سے قریب نظر آتے ہیں۔

(۲۱) ایک اور مسئلہ جو علمائے ہند کے مابین اختلافی ہے وہ ہے غیر صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہنے کا مسئلہ۔ اس مسئلے میں سنی بریلوی حضرات غیر صحابہ کے لیے بھی جواز کے قائل ہیں اور مصنف کی اس شرح کے مطالعے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اگر چہ انھوں نے اس طرح کا کوئی قول نہیں لکھا ہے لیکن علاوہ اپنی اس شرح کے غیر صحابی کو بھی رضی اللہ عنہ سے یاد کرتے نظر آتے ہیں۔ ے

یہ چند نکات تھے جو ان کے مقدمے کے مطالعے سے اور پوری کتاب پر ایک نظر ڈالنے سے سامنے آتے ہیں۔ جو نکات اور جو خصوصیات کتاب کی بیان کی گئی ہیں ان کے نمونے ملاحظہ کرنے کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔کوئی بھی شخص جو کتاب کا مطالعہ کر چکا ہوگا یا مطالعہ کرے گا وہ ہماری بیان کردہ خصوصیات سے کتاب کے آراستہ ہونے کے بارے میں ہماری تصدیق کرے گا۔

بہر حال مذکورہ بالا نکات کے مطالعے سے کتاب کی خصوصیات واضح ہو جاتی ہے۔ مصنف کے مسلک ومشرب سے متعلق آگاہی ہوتی ہے، تالیف اوجز میں مصنف کے منہج سے بھی آشنائی ہوتی ہے اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب کی تالیف میں کتنی محنت اور تن دہی سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب پوری دنیا میں مقبول ہوئی اور موطا کی شرحوں کے مابین اسے ایک خاص مقام حاصل ہوا۔

ان خصوصیات کی حامل کوئی بھی کتاب بہت ساری کتابوں کے بغیر تیار نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یہ کتاب بھی اکابرین ومشائخ علماء ومحدثین کی شرح وحواشی اور دیگر تصنیفات کے مطالعے کے بعد ہی وجود میں آئی ہے۔اس شرح کی خوبیاں بتا رہی ہیں قرآن واحادیث اور تفاسیر وشروح کے علاوہ تاریخ ولغت اور دیگر رجال حدیث سے متعلق کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام کتابوں کی فہرست پیش کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ جس طرح کتاب کی خصوصیات کے ذکر کرنے میں ہمارا مقصود یہ تھا کہ کتاب کی عظمت وبزرگی اور اس کی اہمیت وافادیت واضح ہو جائے یوں ہی آنے والی تحریر میں بھی ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ کتاب کی اہمیت وافادیت کے دوسرے گوشوں کو واضح کیا جائے۔ اور وہ گوشہ یہ ہوگا کہ ہم آئندہ سطروں میں ان اہم کتابوں کا تذکرہ کریں گے جنھیں ہم اس شرح کے مصادر ومراجع میں شمار

کرسکتے ہیں۔ ان کتابوں کے تذکرے سے کتاب کے درجہ استناد کا پتا چلے گا اور مزید خصوصیات واضح ہوں گی اور اس کی امتیازات کے دیگر پہلو بھی ہمارے سامنے آئیں گے۔

بذل المجہود کے مقدمے میں جن کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور دوسرے جن کتابوں کو اس شرح کے مصادر ومراجع میں شمار کرسکتے ہیں۔ ان میں خود بذل المجہود فی حل ابی داؤد کا نام سرِ فہرست ہے۔ یہ کتاب اصلاً مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی تصنیف ہے لیکن اوجز المسالک کے مصنف اس کتاب کے معاون مصنف رہے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے استاذ کی معاونت کے دوران جو کچھ انھوں نے مطالعہ سے حاصل کیا ہوگا وہ اور خود بذل المجہود کی تالیف اوجز المسالک اور لامع الدراری سے پہلے ہوئی ہے اس لیے بذل المجہود کے سارے مباحث مولف محترم کو ازبر رہے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ احادیث مختلف کتابوں میں مکرر آتی ہیں۔ اوران کی توجیہات وتاویلات توضیحات وتشریحات میں یکسانیت ہوتی اور مباحث بھی ایک ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے مصنف نے سب سے زیادہ اسی کتاب سے استفادہ کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ بذل المجہود کی تالیف کے وقت مصنف کی نظر سے جو کتابیں گزری ہوں گی یقینی طور پر وہ اوجز کی تصنیف کے وقت بھی پیش نظر رہی ہوں گی اور ان سے مصنف نے خوب خوب استفادہ کیا ہوگا۔

بذل المجہود کے علاوہ موطا کی پانچ شرحوں امام سیوطی کی تنویر الحوالک بیری زادہ کی الفتح الرحمانی علامہ باجی کی منتقی علامہ ابن عبدالبر الاندلسی کی شرح موطاء (الاستذکار) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی المسوی سے مصنف نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ موطا کی ان شرحوں کے علاوہ علامہ شہاب الدین بن ارسلان کی شرح ابی داؤد علامہ امام محمد بن محمد بن سلیمان المغربی المالکی متوفی ۱۰۹۴ھ کی مجمع الزوائد علامہ ابن ابوحاتم کی علل الحدیث اور امام نووی علیہ الرحمہ کی الاذکار سے منصف نے خوب استفادہ کیا ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی معروف بہ جصاص متوفی ۳۷۰ھ کی احکام القرآن، تفسیر خازن امام نبوی بغوی متوفی ۵۱۶ھ کی معالم التنزیل سے بھی اس شرح کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔ اسمائے رجال میں امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی متوفی ۵۵۷ھ کی التلقیح اور عبدالغنی بن احمد بہرانی شافعی کی قرۃ العین فی ضبط اسماء الرجال الصحیحین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اصول حدیث میں

امام سیوطی کی الالفیہ اوراس کی شرح منہج ذوی النظر، عبداللہ بن حسین عدوی مالکی کی لفظ الدرر شرح نخبۃ الفکر ، شرح زرقانی علی البیقونیہ پر جمہوری کا حاشیہ اور خود مصنف کا رسالہ اصول الحدیث علی اصول الحنیفہ زیر مطالعہ رہا ہے۔ اوران سے مدد لی گئی ہے۔ ائمہ اربعہ کی فقہی کتابوں میں علامہ بحر العلوم حنفی کی رسائل الارکان سید محمد مرتضیٰ حسینی کی الجواہر المنیفہ فی ادلۃ ابی حنیفہ، ابراہیم طرابلسی حنفی کی البرہان شرح مواہب الرحمٰن، الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردر پر موفق بن قوامہ حنبلی کی المغنی، عبدالقادر بن عمر شیبانی کی الشرح الکبیر اور نیل المارب، شیخ منصور بن یونس بہوتی کی الروض المربع فی شرح المستقنع، احمد بن احمد بن سالم بن احمد تشوقی لدسی کی الاربعۃ عن فروع الحنابلۃ اور الانوار الساطعۃ فی المذاہب الاربعۃ اور علامہ ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً لغت، تاریخ وغیرہا کے لیے امام نووی کی تہذیب الاسماء واللغات، شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ سے خصوصیت کے ساتھ مدد لی گئی ہے۔

مذکورہ کتب کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی مجموعۃ المسلسلات محسن تیمی کی ’’الیانع الجنی فی اسانید الشاہ عبدالغنی ، سالم بن عبداللہ کی کتاب الامداد بمعرفۃ علو الاسناد، صالح بن محمد بن نوح عمری متوفی ۱۸۱۲ھ کی ’’قطف الثمر ، شیخ احمد نخلی مکی کی بغیۃ الطالبین فی بیان المشائخ المحققین المعتمدین، شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین کردی متوفی ۱۱۰۲ھ کی کتاب الامم لایقاظ الہمم ، شاہ عبدالعزیز دہلوی کی العجالۃ النافعۃ اورالکمالات العزیزیۃ ،شاہ ولی اللہ کی الارشاد فی امہات الاسناد، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتابوں سے قطع نظر شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، مصطفیٰ بن عبداللہ ملا کاتب متوفی ۱۰۹۷ھ کی کشف الظنون فی الکتب والفنون، شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کشاف اصطلاحات الفنون ،مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی تذکرہ شیخ رشید احمد گنگوہی، علامہ سیوطی کی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ، ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون یعمری مالکی متوفی ۷۹۹ھ، الدیباج المذہب فی اعیان المذہب، احمد بن احمد بن احمد بن عمرو کی نیل الابتہاج بتطریز الدیباج، نواب صدیق حسن خاں متوفی ۱۳۰۷ھ کی ابجد العلوم اور عبدالہادی بن رضوان ابیاری کی نیل الامانی علی مقدمۃ القسطلانی سے اس شرح کی تالیف میں بھرپور مدد لی گئی ہے۔ [۸]

مذکورہ بالا کتابوں کے اسماء کو پڑھ کر ہی مصنف کی وسعت علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اس شرح کی تالیف میں مصنف کے جہد مسلسل بے لوث کاوش اور خلوص عمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کی یہ شرح نہایت عالیشانی شرح ہے جو متقدمین ومتاخرین کی شروحات حدیث کا چربہ اور اس کا خلاصہ ہے۔ اس ایک شرح کے مطالعے سے ہماری بہت سی علمی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں اور خصوصاً طالبانِ حدیث وفقہ ورجال حدیث کے قیمتی سرمائے۔ اب تک اس فصل میں کتاب کی خصوصیات اور اس کے مصادر ومراجع پر گفتگو کی گئی ہے آئندہ صفحات میں کتاب کے مشمولہ طباعت کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر ہر جلد سے چند مباحث کے چند نمونے نقل کر کے کتاب کی اہمیت وافادیت اور اس کی خوبی وخامی پر بحث کی جائے گی۔

فصل سوم

اوجز المسالک کے مضامین ومباحث نمونوں کی روشنی میں

موطا امام مالک کا اسلامی دنیا میں ایک بڑا مقام ہے اور کتب احادیث کے مابین اسے اس بات کی فضیلت حاصل ہے کہ بخاری شریف کے وجود میں آنے سے قبل اگر معتبر اور صحیح احادیث کا کوئی مجموعہ لوگوں کی نگاہوں میں تھا تو وہ موطا امام مالک ہی تھا اور بخاری شریف کے وجود میں آنے کے بعد بھی کتب احادیث کے صحیح مجموعوں کے مابین اسے ایک امتیازی مقام حاصل رہا اور خود علما کے مابین موطا اور صحیح بخاری کی باہم افضیلت کے سلسلے میں نزاع رہا۔ اسی اہمیت وفضیلت کی وجہ سے علما نے تشریح وتوضیح اور حاشیہ نگاری کے ذریعہ اس کتاب کا بڑا اہتمام کیا اور بہت ساری شرحیں اور بہت سے حاشیے وجود میں آئے۔ ان میں سے جو شرحیں اور حاشیے اوجز المسالک کے مصنف کو فراہم ہوسکے یا اس بارے میں کوئی معلومات ان کو دیگر ذرائع سے مل سکیں اس کا تذکرہ انھوں نے مقدمہ اوجز المسالک کے دوسرے باب میں کیا ہے۔ (دیکھئے: فصل:۲، فائدہ:۱۰، ص:۲۸۔۳۴)

متاخرین علما میں ایک نمایاں مقام کی حامل شرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے المسوی کے نام سے لکھی۔ اسلاف واکابر علما ومشائخ کے اسی اہتمام کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا محمد زکریا نے بھی ایک ایسی شرح لکھنے کا ارادہ کیا جس سے علما وطلبا کی ضرورتیں پوری ہوں اور جس کے مطالعے سے وہ موطا کی دوسری بڑی بڑی شرحوں سے بے نیاز ہوجائیں اور خصوصیت کے ساتھ اس شرح میں احناف کے مستدلات پر شاندار بحث بھی ہو۔ چنانچہ انھوں نے اوجز المسالک الی موطا مالک کے نام سے اسی کی ایک متوسط شرح لکھی۔

یہ شرح عربی زبان میں اور باریک رسم الخط سے لکھی ہوئی ہے۔ مقدمے کو خارج کرکے اور

مضامین ومباحث کی فہرست سے قطع نظر، تین ہزار چار سو چوراسی صفحات پر مشتمل ہے۔اور المکتبۃ العلمیۃ سہارنپور سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ابھی حال میں تحقیق وتخریج کے ساتھ ۱۸ جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے المکتبۃ العلمیۃ سہارنپور کا نسخہ ہے۔ اس نسخے کے مطابق پہلی جلد ۴۵۹/صفحات پر مشتمل ہے۔دوسری جلد میں۵۳۲/صفحات ہیں۔تیسری جلد میں۴۲۷/صفحات ہیں۔ چوتھی جلد میں۴۰۷/صفحات ہیں۔ پانچویں جلد میں ۵۳۸/صفحات ہیں اور چھٹی جلد۵۱۲/صفحات پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد بعض اِن اہم ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) باب وقوت الصلوٰة — ص۹

(۲) ماجاء فی دلوك الشمس وغسق الليل — ص۱۰

(۳) مالايجب فيه الوضوء — ص۱۱

(۴) ترك الوضوء ممامسته النار — ص۱۲

(۵) ماجاء فی المسح بالراس والاذنين — ص۱۳

(۶) ماجاء فی المسح علی الخفين — ص۱۴

(۷) ماجاء فی الرعاف — ص۱۵

(۸) مايحل للرجل من امرأته وهی حائض — ص۱۶

(۹) ماجاء فی المستحاضة — ص۱۷

(۱۰) ماجاء فی بول الصبی — ص۱۸

(۱۱) ماجاء فی البول قائما — ص۱۹

(۱۲) ماجاء فی السواك — ص۲۰

(۱۳) ماجاء فی النداء للصلوٰة — ص۲۱

(۱۴) ماجاء فی ام القرآن — ص۲۲

(۱۵) القراءة خلف الامام فيما لايجهر فيه بالقراءة — ص۲۳

(۱۶) ترك القراءة خلف الامام فيماجهربه [۲۴]

(۱۷) ماجاء فی التامين خلف الامام [۲۵]

(۱۸) التشهد فی الصلوٰة [۲۶]

(۱۹) النظر فی الصلوٰة إلی مايشغلك عنها [۲۷]

(۲۰) ماجاء فی الانصات يوم الجمعة والامام يخطب [۲۸]

(۲۱) ماجاء فيمن ادرك ركعة يوم الجمعة [۲۹]

(۲۲) ماجاء فی الساعة التی فی يوم الجمعة [۳۰]

(۲۳) القراءة فی صلوٰة الجمعة والاحتباء ومن تركها من غير عذر [۳۱]

(۲۴) الترغيب فی الصلوٰة فی رمضان [۳۲]

(۲۵) ماجاء فی صلوٰة الليل [۳۳]

(۲۶) ماجاء فی ركعتی الفجر [۳۴]

ان سارے ابواب میں الگ الگ اہم مباحث ہیں جن پر ضرورت کے مطابق کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ مصنف چوں کہ حنفی مسلک ہیں اس لیے وہ مباحث جو خصوصیت کے ساتھ اختلافی شمار ہوتے ہیں ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور مذہب حنفی کی تائید میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

دوسری جلد میں جن ابواب پر گفتگو کی گئی ہے ان میں سے کچھ اس طرح ہیں:

(۱) فضل الجماعة علی الفذ [۳۵]

(۲) العمل فی صلوٰة الجماعة [۳۶]

(۳) الصلوٰة الوسطی [۳۷]

(۴) الرخصة فی الثوب الواحد [۳۸]

(۵) الجمع بين الصلوٰتين فی الحضر والسفر [۳۹]

(۶) قصر الصلوٰۃ فی السفر ۴۰

(۷) صلوٰۃ الضحیٰ ۴۱

(۸) صلوٰۃ الواحد خلف الصف ۴۲

(۹) القنوت فی الصبح ۴۳

(۱۰) ماجاء فی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۴

(۱۱) العمل فی جامع الصلوٰۃ ۴۵

(۱۲) جامع الصلوٰۃ ۴۶

(۱۳) العمل فی غسل العیدین والنداء فیھا ۴۷

(۱۴) صلوٰۃ الخوف ۴۸

(۱۵) العمل فی الکسوف ۴۹

(۱۶) العمل فی صلوٰۃ الاستسقاء ۵۰

(۱۷) ماجاء فی المسجد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱

(۱۸) الامر بالوضوء لمن مس القرآن ۵۲

(۱۹) ماجاء فی سجود القرآن وحکم السجود ۵۳

(۲۰) ماجاء فی ذکر اللہ تعالیٰ ۵۴

(۲۱) النھی عن الصلوٰۃ بعدا لعصر ۵۵

(۲۲) کتاب الجنائز ۵۶

ان سارے ابواب ومضامین کے تحت مختلف مسائل زیر بحث آئے ہیں اوران سب پر شافی وکافی گفتگو کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ بات زیادہ تفصیلی نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے تمام گوشوں کومحیط ہو۔

تیسری جلد کا آغاز کتاب الصوم سے ہوتا ہے اس جلد میں کتاب الصوم کے علاوہ کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج بھی شامل ہے۔ یہ تمام کتب مختلف ابواب پر مشتمل ہیں۔ جن میں کچھ ابواب اس طرح ہیں:

(۱) ماجاء فی روية الهلال للصيام والفطر ۵۷ے
(۲) من اجمع الصيام قبل الفجر ۵۸ے
(۳) كفارة من افطر فی رمضان ۵۹ے
(۴) صيام اليوم الذی بشك فيه ۶۰ے
(۵) ماجاء فی ليلة القدر ۶۱ے
(۶) الاعتكاف وحكمه ۶۲ے
(۷) مالايجوز الاعتكاف الآبه ۶۳ے
(۸) قضاء الاعتكاف ۶۴ے
(۹) النكاح فی الاعتكاف ۶۵ے
(۱۰) ماتجب فيه الزكوٰة ۶۶ے
(۱۱) باب الزكاة فی العين من الذهب والورق ۶۷ے
(۱۲) ماجاء فی صدقة البقر ۶۸ے
(۱۳) صدقة الخلطاء ۶۹ے
(۱۴) النهی عن التضيق علی الناس فی الصدقة ۷۰ے
(۱۵) زكوة الحبوب والزيتون ۷۱ے
(۱۶) جزية اهل الكتاب والمجوس ۷۲ے
(۱۷) من تجب عليه زكوة الفطر ۷۳ے
(۱۸) ماينهی عنه من لبس الثياب فی الاحرام ۷۴ے
(۱۹) التلبية والعمل فی الاهلال ۷۵ے
(۲۰) جامع ماجاء فی العمرة ۷۶ے
(۲۱) جامع الحج ۷۷ے

ان سارے ابواب کے تحت مختلف انواع کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھی جلد کا آغاز کتاب الجہاد سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب النذور والایمان، کتاب الذکاۃ، کتاب الصید، کتاب العقیقۃ، کتاب الضحایا، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الرضاع، کتاب العتق والولاء، کتاب المکاتب اور کتاب المدبر بھی اس جلد میں شامل ہیں۔

ان تمام کتابوں کے تحت مختلف ابواب زیر بحث آئے ہیں اور ہر باب سے متعلق احادیث پر گفتگو کی گئی ہے۔ مختلف کتابوں میں جو مختلف اہم ابواب زیر بحث آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) الترغيب فى الجهاد ۷۸ے
(۲) النهى عن قتل النساء والولدان فى الغزو ۷۹ے
(۳) ماجاء فى الوفاء بالامان ۸۰ے
(۴) جامع النفل فى الغزو ۸۱ے
(۵) مالايجب فيه الخمس ۸۲ے
(۶) ماجاء فى الغلول ۸۳ے
(۷) الشهداء فى سبيل الله ۸۴ے
(۸) ماجاء فى الخيل والمسابقة بينهما ۸۵ے
(۹) ماجاء فى من نذر مشيا إلى بيت الله ۸۶ے
(۱۰) مالايجوز من النذور فى معصية الله ۸۷ے
(۱۱) مالايجب الكفارة من الايمان ۸۸ے
(۱۲) العمل كفارة الايمان ۸۹ے
(۱۳) التسمية على الذبيحة والصيد ۹۰ے
(۱۴) ماجاء فى صيد المعلمات ۹۱ے

(۱۵) ماجاء فی صید البحر [۹۲]

(۱۶) ماجاء فی من یضطر إلی المیتة [۹۳]

(۱۷) العمل فی العقیقة [۹۴]

(۱۸) ماینهی عنه فی الضحایا [۹۵]

(۱۹) ماجاء فی الخطبة وحکمها [۹۶]

(۲۰) نکاح المحلل وما أشبهه [۹۷]

(۲۱) ماجاء فی اللعان [۹۸]

(۲۲) جامع ماجاء فی الرضاعة [۹۹]

(۲۳) الشرط فی العتق [۱۰۰]

(۲۴) القضاء فی المکاتِب والمکاتَب [۱۰۱]

(۲۵) القضاء فی ولد المدبرة [۱۰۲]

یہ چار اہم ابواب جن کو منتخب کر کے ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام ابواب کے تحت مختلف فروعی مسائل، فقہی مسالک زیر بحث آئے ہیں۔ ان سب پر اختصار و جامعیت کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے اور تمام مباحث کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پانچویں جلد کی شروعات کتاب البیوع سے ہوتی ہے۔ اس میں کتاب المساقاۃ، کتاب کراء الارض، کتاب الشفعۃ، کتاب الاقضیۃ، کتاب الفرائض اور کتاب العقول کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

ان تمام ابواب کے تحت بہت سارے ابواب قائم کیے گئے ہیں اور ابواب مذکورہ احادیث پر گفتگو کی گئی ہے جو ابواب اس جلد میں قائم کیے گئے ہیں ان میں سے کچھ اہم نیچے ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) ماجاء فی بیع العرجان [۱۰۳]

(۲) العهدة فی الرقیق [۱۰۴]

(۳) ماجاء فی المزابنة والمحاقلة [۱۰۵]

(۴) ماجاء فی الصرف ۱۰۶

(۵) جامع بیع الطعام ۱۰۷

(۶) بیع المرابحة ۱۰۸

(۷) مایجوز من القراض ۱۰۹

(۸) جامع ماجاء القراض ۱۱۰

(۹) الشرط فی الرقیق فی المساقاة ۱۱۱

(۱۰) مایقع فیه الشفعة ۱۱۲

(۱۱) الترغیب فی القضاء بالحق ۱۱۳

(۱۲) الشهادات ۱۱۴

(۱۳) القضاء فی الدعوی ۱۱۵

(۱۴) القضاء فی جامع الرهون ۱۱۶

(۱۵) میراث الصلب ۱۱۷

(۱۶) میراث الجد ۱۱۸

(۱۷) العمل فی الدیة ۱۱۹

(۱۸) عقل الجراح فی الخطاء ۱۲۰

(۱۹) عقل الاصابع ۱۲۱

(۲۰) جراح الیهودی والمجوسی ۱۲۲

ان مختلف ابواب کے تحت مختلف جزئی مسائل زیر بحث آئے ہیں اور بہت سارے جزئیات بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف علمی نکات بیان ہوئے ہیں، حاصل یہ کہ موضوعات ومضامین کے مختلف گوشوں کواجاگر کیا گیاہےاورشاندار مباحث پیش کیے گئے ہیں۔

چھٹی اورآخری جلد کا آغاز کتاب الحدود سے ہوتاہےاورانتہا کتاب الجامع پر ہوتی ہے۔ جس میں

مختلف انواع کے ابواب قائم کیے گئے ہیں اور ان دونوں کتابوں کے بیچ میں کتاب السرقۃ اور کتاب الاشربۃ ہے۔

ان تمام کتابوں کے تحت مختلف ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اور تمام ابواب کی متعلقہ احادیث ذکر کی گئی ہیں شارح نے ان تمام احادیث پر بقدر ضرورت ایجاز واختصار اور کہیں شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور مسائل کو واضح کیا ہے۔

جو ابواب اس جلد میں مختلف کتب کے تحت قائم کیے گئے ہیں ان میں سے بعض نیچے درج کیے جاتے ہیں:

(۱) ماجاء فی الرجم ۱۲۳
(۲) ماجاء فیمن اعترف علی نفسه بالزنا ۱۲۴
(۳) جامع ماجاء فی الزناء ۱۲۵
(۴) ماجاء فی المغتصبة ۱۲۶
(۵) مالاحدّ فیه ۱۲۷
(۶) مایجب فیه القطع ۱۲۸
(۷) ماجاء فی قطع الآبق السارق ۱۲۹
(۸) جامع القطع ۱۳۰
(۹) مالاقطع فیه ۱۳۱
(۱۰) ماجاء فی حد الخمر ۱۳۲
(۱۱) ماجاء فی تحریم الخمر ۱۳۳
(۱۲) باب الدعاء للمدینة واهلها ۱۳۴
(۱۳) باب ماجاء فی تحریم المدینة ۱۳۵
(۱۴) جامع ماجاء فی أمر المدینة ۱۳۶

(۱۵) ماجاء فی حسن الخلق ۱۳۷
(۱۶) ماجاء فی الغضب ۱۳۸
(۱۷) ماجاء فی لبس الخز ۱۳۹
(۱۸) صفة النبی صلی الله علیه وسلم ۱۴۰
(۱۹) جامع ماجاء فی الطعام والشراب ۱۴۱
(۲۰) ماجاء فی اجر المریض ۱۴۲
(۲۱) ماجاء فی المشرق ۱۴۳
(۲۲) ماجاء فی التقی ۱۴۴
(۲۳) الترغیب فی الصدقة ۱۴۵
(۲۴) ماجاء فی التعفف عن المسئلة ۱۴۶
(۲۵) ماجاء فی طلب العلم ۱۴۷
(۲۶) ماجاء فی اسماء النبی صلی الله علیه وسلم ۱۴۸

ان مختلف ابواب کے تحت مختلف مسائل زیر بحث آئے ہیں اور اسلاف واکابر کے اقوال کی روشنی میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔اس جلد میں سب سے لمبی بحث کتاب الجامع کی ہے جس میں مختلف ابواب کی بحثیں آئی ہیں اور متنوع ابواب قائم کیے گئے ہیں۔اس سے متعلق احادیث وارده پر گفتگو کی گئی ہے اور نوع بشری کی ہدایت کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔

اوجز المسالک کے بعض مباحث:

کتب احادیث کی تقریباً تمام کتابوں میں لیلۃ التعریس کا واقعہ بہت مشہور ہے اور اس حدیث پاک سے بڑے اہم مسائل علما نے مستنبط فرمائے ہیں لیکن علمائے کرام کے مابین یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ متعدد بار رونما ہوا یا یہ ایک ہی واقعہ ہے روایتیں اس سلسلے میں مختلف ہیں جن سے پتا بظاہر یہی چلتا ہے کہ یہ واقعہ کئی بار رونما ہوا ہے اس مسئلے پر النوم عن الصلوٰۃ کے باب میں گفتگو

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم اختلف مشائخ الحديث فى أن قصة التعريس وقعت للنبى صلى الله عليه وسلم مرة او تعددت لما اختلف الروايات فيها جدا، ففى رواية حين قفل من خيبر كما تقدم، اخرجه مسلم وابوداؤد وابن ماجة ايضا، وفى الصحيحين وابى داؤد عن عمران وابى قتادة كنا فى سفر بالابهام وكذا عند ابى داؤد عن عمر بن امية ايضا، وفى مسلم وابى داؤد عن ابن مسعود اقبل النبى صلى الله عليه وسلم من الحديبية ليلا، وياتى من مرسل زيد بن اسلم بطريق مكة، ولعبدالرزاق من مرسل عطاء والبيهقى عن عقبة بن عامر، والطبرانى عن ابن عمر وكان بطريق تبوك، ولابى داؤد عن ابى قتادة فى حبيش الامراء، فحاول ابن عبدالبر الجمع بين الروايات بان زمان خيبر قريب من زمان الحديبية وطريق مكة يصدق عليها ايضا، قال الحافظ ولايخفى تكلفه، وقال الاصيلى ايضا لم يقع الا مرة واحدة، ورجح النووى والقاضى عياض تعدد القصة لكثرة اختلاف الاحاديث فيها. وقال السيوطى لايجمع الا بتعدد القصة واليه مال اكثر المحدثين وقال ابوبكر بن العربى ثلث مرات احداها رواية ابى قتادة لم يحضرها ابوبكر وعمر والثانية حديث عمران حضراهاو والثالث حضرها ابوبكر وبلال قاله العينى واليه مال الزرقانى۔[۱۴۹]

مصنف کی اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کے سلسلے میں متعدد روایات ہیں اور ان روایات پر پھر انھوں نے گفتگو کی ہے کہ وہ کون کون سے طریق سے مروی ہے۔ نیز اس سے بات جو کھل کر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک روایت حدیبیہ سے لوٹتے وقت کی ہے دوسری روایت میں ابہام کے ساتھ ہے۔ تیسری روایت کے مطابق یہ واقعہ مکہ کے راستے میں رونما ہوا۔ چوتھی روایت کے مطابق تبوک کے راستہ میں ہوا۔ ان مختلف روایات کی بنا پر لیلۃ التعریس کے سلسلے میں تین اقوال سامنے آئے:

(۱) ایک بار یہ واقعہ رونما ہوا اور اس کا قول ابن عبدالبر علامہ اصیلی اور دوسرے علما نے کیا ہے۔ابن عبدالبر نے مختلف روایات کی یہ تاویل کی ہے یہ ساری روایتیں ایک ہی واقعہ کا مختلف ڈھنگ سے بیان ہے کیوں کہ خیبر کی مسافت حدیبیہ سے قریب ہے اور طریق مکہ بھی اس پر صادق آتا ہے۔جن لوگوں نے اس واقعہ کے متعدد ہونے کا قول کیا ہے اس میں امام نووی ،قاضی عیاض اور امام سیوطی شامل ہیں اکثر محدثین کا بھی اس جانب میلان ہے، البتہ ابوبکر بن العربی کا قول یہ ہے کہ یہ واقعہ دوبار نہیں تین بار رونما ہوا۔

پہلی بار اس وقت جس کو ابوقتادۃ نے روایت کیا ہے اور اس میں حضرات شیخین نہیں تھے۔دوسری بار اس وقت جس کو عمران نے روایت کیا ہے اور اس میں حضرات شیخین موجود تھے۔تیسری بار اس وقت جس میں صرف حضرت ابوبکر اور بلال موجود تھے۔علامہ عینی کا بھی قول یہی ہے اور علامہ زرقانی کا بھی اس طرف میلان ہے۔اس بحث میں مصنف نے اہم اختلافی مسئلے پر گفتگو کو نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ سمیٹ دیا ہے اور موضوع کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈال دی ہے اور کوئی تشنگی باقی نہیں رکھی ہے۔

اذان صرف نماز کے لیے مشروع ہے یا اس کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی اذان دی جاسکتی ہے۔یہ ایک اہم مسئلہ ہے علما و محدثین نے اس پر گفتگو کی ہے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے ماجاء فی النداء للصلوٰۃ کے باب میں لکھتے ہیں:

واستنبط بالحديث (بالحديث المذكور فيه ضرط الشيطان للنداء للصلوٰة(ب) بعض السلف الاذان فى غير وقت الصلوٰة لدفع اثرات الشياطين والجنات ، وفى مسلم من رواية سهيل بن ابى صالح قال ارسلنى ابى الى بنى حارثة ومعى غلام لناأوصاحب لنا۔ فناداه منا ومن حائط باسمه فاشرف الذى معى على الحائط فلم يرشيئا فذكرت ذلك لابى فقال لو شعرت انك تلقى هذا لم ارسلك ولكن اذا سمعت صوتا فناد بالصلوٰة فانى سمعت اباهريرة يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال ان الشيطان اذا نودى بالصلوٰة ولّى وله

حصاص. قال ابن عبدالبر قال مالك: استعمل زيد بن اسلم على معدن بنى سليم لايزال يصاب فيه الناس من الجن فلما وليهم شكوا ذلك إليه فأمرهم بالاذان وان يرفعوا اصواتهم به ففعلوا فارتفع ذلك عنهم فهم عليه حتى اليوم، قال مالك اعجبنى ذلك من زيد، و ذكرت الغيلان عند عمر بن الخطاب فقال ان شيئا من الخلق لايستطيع ان يتحول فى غير خلقه ولكن للجن سحرة كما للانس سحرة فاذا خشيتم شيئا من ذلك فاذنوا بالصلوٰة ، وفى السعاية ان الاذان شرع فى الاصل للصلوٰة كمايعلم من احاديث بدئه ثم تجاوزت مشروعيته إلى مواضع شتى لمناسبات۔ ۱۵۰؎

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ نماز کے علاوہ شیاطین و جنات کے اثرات دفع کرنے کے لیے بھی اذان دی جاسکتی ہے اور پھر شارح نے اس کے ثبوت میں روایتیں بھی ذکر کی ہیں اور پھر سعایہ کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے اذان ابتدا میں صرف نماز کے لیے مشروع ہوئی تھی لیکن بعد میں اس کی مشروعیت تجاوز کر کے مختلف جگہوں کے لیے ہوگئی اور اب مختلف مواقع پر اذان دی جاسکتی ہے۔ ان میں سے بعض دوسری جگہوں کو آگے شارح نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم نے اس نمونے میں اس کو شامل نہیں کیا ہے۔

صلوٰة النبى صلى الله عليه وسلم فى الوتر کے باب میں محدثین نے عموماً اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ میری دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا یہ حدیث موطا مالک میں بھی مذکورہ باب میں وارد ہے۔ اس حدیث کا مفہوم کیا ہے اور اس سلسلے میں علما کیا فرماتے ہیں اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الباجى يعنى انه لاينام عن مراعاة الوقت وهذا مما خص به النبى صلى الله عليه وسلم من امر النبوة والعصمة ولذلك كان صلى الله عليه وسلم لايحتاج إلى الوضوء من النوم۔

قال ابن العربى فيه بيان لخروجه صلى الله عليه وسلم عن جملة الآدميين

فـی ان نـومـه ویـقـظتـه سـواء فـی حفظ حاله وصیانة عبادته وذلك لان النوم آفة یسلطهـا الـله علی العبد یخلع فیهما السلطنة التی للنفس علی البدن فیستریح من خـدمتهـا فـی اغراضها ویقطع تلك العلاقة التی بینها فیبقی البدن مستریحا فاخبر صلی الـلـه عـلیـه وسلم ان النوم انما یحل عینه لاقلبه فان احواله محفوظة عنده خصیصة خص بها انتهی. قلت المشهور ان هذا الحدیث معارض لقصة الوادی لیلة التعریس واجیب عـن التـعـارض بـاجـوبة مـنهـا ماقاله النووی ان طلوع الفجر والشمس متعلق بالعین لابالقلب وقیل انه کان فی وقت ینام قلبه وفی وقت لاینام فـصـادف الـوادی نـومه، وقیل ان القلب یسهو یقظة لمصلحة التشریع فنوما اولی، وقیـل غیر ذلك، وایاما کان لو حمل الحدیث علی خوف الفوت یکون فیه حجة علی وجـوب الـوتـر فانه لایخاف الا علی الواجب قاله القاری لکن الراجع عند مشائخی ان الـحـدیث من ابواب نواقض الوضوء فعائشة رضی الله عنها لماعهدت من الاول نـقـض الـوضوء بالنوم وراه صلی الله علیه وسلم یوتر بعد النوم من غیر ان یجدد وضوءا سألت عن ذلك فاجابه صلی الله علیه سلم بعلة عدم النقص وفی خصائصة صلی الله علیه وسلم عدم نقص وضوئه بـالنوم۔[۱۵۱]

اس مبحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے یہ امتیازات میں سے ہے کہ آپ کا سونا اور آپ کی بیداری دونوں برابر ہے۔ جس طرح بیداری کی حالت میں آپ سے کسی نامناسب کام کا ظہور نہیں ہوتا اسی طرح سونے کی حالت میں بھی آپ ان چیزوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اس بنا پر سو کر اٹھنے کے بعد آپ کے لیے وضو کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیوں کہ نیند ایک آفت ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مسلط کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اعضاء اپنی خدمات انجام نہیں دے پاتے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی حالت میں بھی آگاہ اور خبردار رہتے ہیں اور جہاں تک لیلۃ التعریس کی روایات کا تعلق ہے تو اس کا علما نے مختلف جواب دیا ہے اسی میں ایک جواب یہ ہے کہ بیداری کی حالت میں بھی آپ کے

دل سے تشریعی مقاصد کے پیش نظر سہو کا ظہور کرایا جاتا ہے تو نیند کی حالت میں تشریعی مقاصد کے تحت تو اس کا ظہور بدرجۂ اولی ہوگا۔ اور تشریعی مقاصد کے تحت ہونے والے سہو ہمارے حق میں سہو ہیں لیکن وہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اولیٰ کے درجے میں ہیں۔

شارح نے اس بحث میں بھی مختلف علما کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نیند نہ ٹوٹنے کا قول کیا ہے اور اسے آپ کے اختصاصات میں شمار کیا ہے اور اسی کو اپنے مشائخ کے مرجحات میں شمار کیا ہے۔

ایسا شخص جس کے ماں باپ کا پتا نہ ہو ولد الزنا ہو اس کی امامت درست ہے یا نہیں اس سلسلے میں علما کے یہاں بحثیں ہیں اور مختلف اقوال ہیں، اس بحث سے متعلق باتیں موطا مالک میں العمل فی الصلوٰۃ الجماعۃ کے باب میں آئی ہیں۔ چنانچہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الباجی اختلف الناس فی ولد الزانی هل یکون اماما راتبا فذهب مالك انه یکره ذلك فان أم جازت صلوة من ائتم به وهوقول اللیث والشافعی و قال عیسی بن دینار لاتکره امامة ولدالزانی اذاکان فی نفسه اهلا لذلك وبه قال الاوزاعی والنووی ومحمد بن الحکم وقال العینی : وامامة ولدالزنا جائزة عند الجمهور ، واجاز النخعی امامته والشعبی وعطاء والحسن وقالت عائشة رضی الله عنها لیست علیه من وزر ابویه شیئ والیه ذهب الثوری والاوزاعی واحمد واسحاق ومحمد بن الحکم، وکرهها عمر بن عبدالعزیز ومجاهد ومالك اذا کان راتبا ، وقال الشافعی اکره ان انصب من لایعرف ابوه اماما، وقال ابن حزم الاعمی الخصی والعبد وولدالزنا واضدادهم والقرشی سواء لاتفاضل بینهم الابالقراءة وقال الحنفیة تکره امامة العبد ولد الزنا لانه یُستخف به فان تقدما جازت الصلوة۔

قال الشعرانی ومن ذلك قول الائمة الثلاثة بکراهة امامة من لایعرف ابوه مع قول احمد بعدم الکراهة ثم اختلف القائلون بکراهة امامته فی علة الکراهة قال

الزرقانی وعلته عند مالك انه يصير معرضا لكلام الناس فيأثمون بسببه وقيل لانه ليس له غالباً من يفقهه فی الدين فيغلب عليه الجهل...... وبسط شيخنا الدهلوی فی حجة الله البالغة الكلام علی حكم الجماعة وجعل مدارج الامامة مداراً لاسباب الترغيب فی الاقتداء به واتباعه وداعيا الی التفافس فيه فتدرك الفضائل بالمنافسة وحاصل ماقال الشعرانی فی وجه الكراهة ان الامام وصلة بيننا وبين الله سبحانه وتقدس وولد الزنا لا ينبغی ان يكون واسطة بينناوبين خطاب الله تعالیٰ بالقراءة والدعاء لكونه تولد من معصية وسبب المقت، قال تعالیٰ فی الزنا: انه كان فاحشة ومقتا وساء سبيلا قال ووجه قول احمد عدم ورود النهی فی ذلك وكذا حكی الزرقانی عن غيره فقال ليس فی شيئ من الآثار مايدل علی مراعاة نسب فی الامامة وانما فيه الدلالة علی الفقه والقراءة والصلاح فی الدين.

قلت لكنه يستأنس من روايات كثيرة شهيرة منها روايات تقديم الافضل فالافضل باعتبار القراءة والعلم والورع ومنها حديث ابی امامة ثلٰثة لاتجاوز صلوتهم آذانهم منهم امام قوم وهم له كارهون۔[۱۵۲]

اس پوری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ولد الزنا کے پیچھے نماز جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے وہ بھی خاص طور سے جب وہ مقرر کردہ امام ہو اور جہاں تک علت کراہت کی بات ہے تو اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس لیے مکروہ ہے کہ وہ امامت کرے گا تو لوگوں کی گفتگو کا مرکز بنے گا اور پھر غیبت کی وجہ سے لوگ گنہگار ہوں گے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ امامت کے مدراج اقتدا، پیروی اور مقابلہ آرائی کے اسباب پر رکھے گئے ہیں اور اس کی ولد الزنا میں کمی ہوتی ہے۔ امام شعرانی کی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ وہ لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے مابین واسطہ ہے اور وہ چوں کہ سبب معصیت سے پیدا ہوا ہے اس لے اس کا امام بننا بہتر نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ امامت مکروہ نہیں ہے کیوں کہ اسی سلسلے میں کوئی صریح حکم وارد نہیں ہے۔

اس نمونے میں بھی مصنف نے بحث کو بہت خوبصورتی کے ساتھ سمیٹتے ہوئے بحث کے مختلف گوشوں پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ اختصار کے دلائل کی طرف بھی اشارہ کرتے گئے ہیں اور اصل مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا نماز میں شامل ہے لیکن نماز کے علاوہ درود شریف کا کیا حکم ہے کب اور کس قدر پڑھا جانا چاہیے اس سلسلے میں علماء و مشائخ سے تفصیلات منقول ہیں چنانچہ ماجاء فی الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم کے باب میں مختلف مباحث کو تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد درود شریف کی مشروعیت اور اس کی کیفیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفقه الاحاديث المتقدمة الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم قال ابن عبدالبر فى الاستذكار: واجمع العلماء على ان الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم فرض على كل مؤمن لقوله عزوجل: ياايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما، ثم اختلفوا فى كيفية ذلك وموضعه فذهب مالك وابوحنيفه واصحابها الى ان الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم فرض فى الجملة لعقد الإيمان ولايتعين فى الصلوٰة ولا فى وقت من الاوقات ،ومن قول بعضهم ان من صلى على النبى صلى الله عليه وسلم مرة واحدة فى عمره سقط فرض ذلك عنه وبقى مندوبا اليه فى سائر عمره، مقدار مايمكنه وقال الحافظ فى الفتح: اما حكمها فحاصل ماوقفت عليه من كلام العلماء فيه عشرة مذاهب اولها قول ابن جرير الطبرى انها من المستجبّات وادعى الاجماع على ذلك، ثانيها: مقابله ونقل ابن القصار وغيره الاجماع على انها تجب فى الجملة بغير حصر لكن اقل مايحصل به الاجزاء مرة، ثالثها: تجب فى العمر فى صلوٰة او فى غيرها وهى مثل كلمة التوحيد قاله ابوبكر الرازى من الحنفية وابن حزم وغيرهما وقال القرطبى المفسر لاخلاف فى وجوبها فى العمر مرة وانها واجبة فى كل حين وجوب السنن المؤكدة وسقه ابن عطية،

ورابعها: تجب فی العقود فی آخر الصلوٰة بین التشهد وسلام التحلل قاله الشافعی ومن تبعه. خامسها تجب فی التشهد وهو قول الشعبی واسحق بن راهویه. سادسها تجب فی الصلوٰة من غیر تعیین المحل نقل ذلك عن ابی جعفر الباقر. سابعها یجب الاکثار منها من غیر تقیید بعده، قاله ابوبکر بن بکیر عن المالکیة. ثامنها کلما ذکر، قاله الطحاوی وجماعة من الحنفیة والحلیمی وجماعة من الشافعیة وقال ابوبکر ابن العربی من المالکیة انه الاحوط وکذا قال الزمخشری ،تاسعها فی کل مجلس مرة ولوتکرر ذکره مرارا حکاه الزمخشری، عاشرها فی کل دعاء حکاه ایضا الزمخشری۔[۱۵۳]

مذکورہ بالا گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ پر درود پڑھنے کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں حافظ ابن حجر کے مطابق اس سلسلے میں علما کے اقوال کو جمع کرنے کے بعد دس مذاہب نکل کر آتے ہیں، جس میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ مطلقاً مستحب ہے اور آخری قول جسے زمخشری نے نقل کیا ہے اور یہ ہے کہ ہر دعا میں درود پڑھنا واجب ہے۔

اس مسئلے پر بڑی طویل تحریر شارح نے لکھی ہے لیکن ان سب کا ماحصل ان دس مذاہب میں سمٹ جاتا ہے۔ درود شریف کے موضوع پر شارح کی یہ وقیع گفتگو ہے جس کو انھوں نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

لیلۃ القدر بڑی برکت والی رات ہے اس رات کی عبادت ہزار مہینوں سے افضل ہے لیکن اس کی فضیلت و برکت کو مخفی کیوں رکھا گیا اس کو متعین کیوں نہیں کر دیا گیا اس کی حکمت کے سلسلے میں علما کے مابین اختلاف ہے اور لیلۃ القدر کے سلسلے میں محدثین کے یہاں یہ ایک اہم بحث شمار کی جاتی ہے۔

ماجاء فی لیلة القدر کے باب میں اس سے متعلق احادیث وارد ہوئی گوشہ ان احادیث پر گفتگو مختلف گوشوں سے کی گئی ہے اس میں ایک گوشہ بھی ہے کہ آخر کیوں اس رات کو مخفی رکھا گیا ہے اس میں رب تعالیٰ کی حکمت کیا ہے؟ چنانچہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلفوا فی حکمة اخفائها قال الرازی انه تعالیٰ اخفی هذه اللیلة لوجوه:
احدها انه تعالیٰ اخفاها کمااخفی سائر الاشیاء فانه اخفی رضاه فی الطاعات حتی یرغبوا فی الکل واخفی سخطه فی المعاصی لیتحرزوا عن الکل واخفی فیما بین الناس حتی یعظموا الکل واخفی الاجابة فی الدعاء لیبالغوا فی کل الدعوات واخفی الاسم الاعظم لیعظموا کل الاسماء واخفی الصلوٰة الوسطی لیحافظوا علی الکل واخفی قبول التوبة لیواظب المکلف علی جمیع اقسام التوبة واخفی وقت الموت لیخاف المکلف فکذا اخفی هذه اللیلة لیعظموا جمیع لیالی رمضان وثانیها کانه تعالیٰ یقول لوعینت هذه اللیلة وانا اعلم بتجاسرکم علی المعصیة فربما دعتك الشهوة فی تلك اللیالی إلی المعصیة فوقعت فی الذنب فکانت معصیتك مع علمك اشد من معصیتك لامع علمك، روی انه علیه السلام دخل المسجد فرأی نائما فقال نبهه لیتوضأ فایقظه علی ثم قال علی یارسول الله انك سباق الی الخیرات فلم لم تنبهه فقال لان رد ہ علی کفر ورده علیك لیس بکفر ففعلت ذلك لتخف جنایته لو ابی، فاذا کان هذه رحمة الرسول فقس رحمة الرب فکانه تعالیٰ یقول اذا علمت لیلة القدر فان اطعت فیها اکتسبت ثواب الف شهر وان عصیت فیها اکتسبت عقاب الف شهر ورفع العقاب اولیٰ من جلب الثواب، وثالثها اخفیت هذه اللیلة حتی یجتهد المکلف فی طلبها فیکتسب ثواب الاجتهاد ورابعها ان العبد اذا لم یتیقن فانه یجتهد فی الطاعة فی جمیع لیالی رمضان علی رجاء انه ربماکانت هذه اللیلة هی لیلة القدر فیباهی الله تعالیٰ بهم الملائکة وبقول کنتم تقولون فیهم یفسدون ویسفکون فهذا جده واجتهاده فی اللیلة المظنونة فکیف لو جعلتها معلومة ۱۵۴؎

اس بحث کامخلص یہ ہے کہ رب تعالیٰ بڑا رحیم وکریم ہے وہ جانتا ہے کہ میرے بندے میری

نافرمانی میں بڑے جری ہیں اگر میں اس رات کو متعین کردوں گا تو جس طرح دوسرے بہت سے لوگ ثواب عظیم کے مستحق ہوں گے وہیں ایک بہت بڑی تعداد زبردست گناہ میں بھی گرفتار ہوسکتی ہے اس لیے تعین اٹھالی گئی کہ اگر کسی نے تلاش کر کے اس رات کو پالیا تو بہت بہتر ورنہ وہ اس رات کی معصیت سے تو بچ ہی گیا۔

اس کے علاوہ اور دووجہیں مخفی رکھے جانے کی ذکر کی گئی ہیں۔جن سے بندوں کے لیے رب تعالیٰ محبت ورحمت،شفقت ورافت اجاگر ہوتی ہے اور ہمیں عبادت پر مزید اکساتی ہیں۔ اس بحث کو بھی شارح نے جس طرح سمیٹ کر کیا ہے اس سے موضوع سے متعلق مباحث پر ان کے احاطے کا پتا چلتا ہے۔اوران کی وسعت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

زکوٰۃ ایک اہم اسلامی فریضہ ہے اس کا منکر کافر ارنہ دینے والا گنہگار لیکن زکاۃ کے باب میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ یہ صرف امت پر فرض ہے یا انبیا پر بھی فرض ہے۔شارحین احادیث نے زکوٰۃ سے متعلق احادیث کے باب میں اور علما محدثین کے حوالے سے گفتگو کی ہے مصنف اوجز المسالک نے بھی اس بحث کو چھیڑا ہے اور اس پر فقہا ومحدثین کے حوالے سے روایتیں ذکر کی ہیں وہ اس مبحث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثالث مافی الدر المختار انها لاتجب علی الانبیاء اجماعاً قال ابن عابدین لانها طهرة لمن عساه ان یتدنس والانبیاء مبرؤن منه واما قوله تعالیٰ: واوصانی بالصلوٰة والزکواة مادمت فالمراد بهازکوة النفس من الرذائل التی لایلیق بمقامات الانبیاء علیهم الصلاة والسلام او اوصانی بتبلیغ الزکوة ولیس المراد زکوٰة الفطر لان مقتضی جعل عدم الزکوٰة من خصوصیاتهم أنه لافرق بین زکوٰة المال والبدن

وفی حاشیة الدسوقی لازکوٰة علی الانبیاء لانه لاملك لهم مع الله وقریب منه فی المعنی انهم لایورثون ثم هو ذوق خاص بهم والا فکل احد لاملك له مع الله کذا فی ضوء الشموع .

وفی الانوار الساطعة من حاشية الصاوی للمالكية لازكوة على الانبياء عليهم الصلاة والسلام لان مابأبديهم ودائع الله تعالىٰ وهذا على مذهبنا وهو خلاف مذهب الشافعی .

زاد الدسوقی: كما قال بعضهم من انهم لايملكون وهو خلاف مذهب الشافعی كما قاله بعض شراح الرسالة. وفی تفسير روح المعانی: قوله تعالی واوصانی بالصلوة والزكوٰة مادمت حيا. الظاهر المراد بهما ماشرع فی البدن والمال علی وجه مخصوص وقيل المراد بالصلوٰة الدعاء وبالزكوٰة تطهير النفس عن الرذائل ويتعين هذا فی الزكوة علی ما نقل عن ابن عطاء الله وان كان منظوراً فيه عن انه لا زكوٰة علی الانبياء لان الله تعالیٰ نزههم من الدنيا فما فی ايديهم للّٰه تعالیٰ ولذا لايورثون أو لان الزكوٰة تطهير وكسبهم طاهر، وقيل لايتعين لان ذلك امر له بايجاب الزكوٰة علی امته وهو خلاف الظاهر واذاقيل بحمل الزكوٰة علی الظاهر، فالظاهر ان المراد اوصانی باداء زكوٰة المال ان ملكته وفی روح البيان الظاهر ان ايصاء ه بهما لايستلزم غناه بل هی بالنسبة الی اغنياء امته و عموم الخطابات الالهية منسوب الی الانبياء تهييجا للامة علی الأتمار [۱۵۵]

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انبیا کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں تھی، بلکہ ان کی امتوں پر واجب تھی کیوں کہ انبیائے کرام دنیا کی گندگیوں سے پاک ہوتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم انھیں گندگیوں سے پاک کرنے کے لیے ہے، اور جہاں تک ان آیات قرآنی کا تعلق ہے جس میں آپ کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے تو حکم وہاں بھی امت سے متعلق ہے البتہ خطاب آپ سے ہے اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے واسطے سے مومنین کو خطاب کیا جاتا ہے۔

اس مبحث میں مصنف نے مختلف کتابوں کے حوالے سے اقوال تو جمع کر دیئے ہیں لیکن اس سلسلے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے اور نہ احادیث سے استدلال کیا ہے اس لیے بات بہت واضح ہو کر

سامنے نہیں آتی ہے۔ اور بات ظاہری نصوص کو دیکھتے ہوئے کمزور لگتی ہے کیوں کہ اس طرح انبیاء کرام سے تمام احکام شرعیہ کی تکلیف ساقط ہو جائے گی اور ہر جگہ یہ تاویل کر دی جائے گی کہ خطاب انبیا کے واسطے سے امت کو ہے۔ اس لیے یہ بحث اپنے اندر تشنگی لیے ہوئے ہیں۔

جہاد بھی اہم فرائض اسلام میں سے ایک ہے لیکن جہاد کے وجوب کی کچھ شرطیں ہیں اور اسی لیے علمائے کرام نے اس کی فرضیت کی دو قسمیں کی ہیں۔ (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔ جب جہاد فرض عین ہو تو ایسی صورت میں والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب جہاد فرض کفایہ ہو تب والدین کی اجازت ضروری ہے۔ اگر والدین اجازت دیں تو بہتر، ورنہ جہاد میں جانا درست نہیں ہوگا اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن رشد: عامة العلماء متفقون على ان من شرط الفريضة اذن الابوين فيها الا ان تكون عليه فرض عين واختلفوا فى اذن الابوين المشركين .

قال الخرقى اذا كان ابواه مسلمين لم يجاهد تطوعا الا باذنهما، قال الموفق روى نحو هذا عن عمر و عثمان وبه قال مالك والاوزاعى والثورى والشافعى وسائر اهل العلم وقد روى عبدالله بن عمرو بن العاص قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله صلى الله عليه وسلم اجاهد قال: الك ابوان قال نعم قال: ففيهما فجاهد وعن ابن عباس عنى النبى صلى الله عليه وسلم مثله رواه الترمذى وقال حسن صحيح وفى رواية قال جئت ابايعك على الهجرة وتركت ابوى يبكيان، قال ارجع اليهما فاضحكهما كما ابكيتهما وعن ابى سعيد ان رجلا هاجر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هل لك باليمن احد قال نعم ابواى قال اذنا لك قال لا، قال فارجع فاستأذنهما فان اذنا لك فجاهد والا فبرهما رواها ابوداؤد ولان برالوالدين فرض معين والجهاد فرض كفاية وفرض العين يقدم فاما ان كان ابواه غير مسلمين فلا اذن

لهماوبذلك قال الشافعی وقال الثووی لايغزو الا باذنهما لعموم الاخبار ولنا ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم كانوا يجاهدون وفيهم من له ابوان كافران من غير استئذانهما منهم ابوبكر الصديق وابوحذيفة بن ربيعة كان مع النبی صلی الله علیه وسلم يوم بدر وابوه رئيس المشركين يومئذ قتل ببدر، وابوعبيدة قتل اباه فی الجهاد فانزل الله تعالى: لاتجد قوماالآية ، وعموم الاخبار مخصص بمارويناه ثم قال و اذا وجب عليه الجهاد لم يعتبر اذن والديه لان صار فرض عين وتركه معصية ولاطاعة لاحد فی معصية الله۔[۱۵۶]

درج بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ اگر جہاد فرض کفایہ کی صورت میں ہوتو ایسی صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے یہی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کیوں کہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ اور فرض عین کا ترک گناہ ومعصیت ہے البتہ اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو ایسی صورت میں اذن کی ضرورت نہیں کیوں کہ ایسی صورت میں اس کی فرضیت رب تعالیٰ کی جانب سے متعین ہوگی اور اگر والدین سے اجازت لی اور اس نے اجازت نہیں دی اور ان کی اطاعت کی تو گناہ گار ہوگا کیوں کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہوتی۔ یوں ہی اگر والدین مسلمان نہ ہوں تو بھی بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ان سے اجازت ضروری ہے کیوں کہ اس سلسلے میں وارد حکم عام ہے لہذا کافر والدین کا بھی شامل ہوگا۔لیکن عام علما کا قول یہ ہے کہ والدین اگر مسلمان نہ ہوں تو ایس صورت میں ان سے اجازت ضروری نہیں کیوں کہ صحابہ کرام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد کرتے تھے اور مقابلے میں ان کے والدین بھی ہوتے تھے وہ ان سے شرکت کی اجازت نہیں لیا کرتے تھے لہذا مشرک والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

مصنف نے اس مسئلے کو درج بالا اقتباس میں بڑی اچھی طرح واضح کیا ہے اور فریقین کے دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور اس طرح مسئلے کے تمام پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے۔

قربانی شعار اسلام میں سے ہے، پوری دنیا میں قربانی کا اہتمام کیا جاتا ہے اس باب میں یہ

حدیث بھی وارد ہے کہ ایام نحر میں اللہ کے نزدیک خون بہانے سے بہتر کوئی عمل ابن آدم کا نہیں ہے لیکن اس بارے میں علما کے مابین مختلف اقوال ہیں کہ قربانی واجب یا مستحب ہے یا کچھ اور۔ کتاب الضحایا میں قربانی سے متعلق ہی احادیث ذکر کی گئی ہیں اور اس کی شرح میں اس ضمن میں بڑی اہم بحثیں ذکر کی گئی ہیں۔ انہی میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ قربانی کے سلسلے میں مختلف علما کے کیا اقوال ہیں۔ چنانچہ اس بحث کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن رشد اختلف العلماء فيها هل هى واجبة ام سنة فذهب مالك و الشافعى الى انهامن السنن المؤكدة ورخص مالك للحاج فى تركها بمنى، ولم يفرق الشافعى فى ذلك بين الحاج وغيره وقال ابوحنيفه الضحية واجبة على المقيمين الموسرين ولاتجب على المسافرين وخالفه صاحباه ابو يوسف ومحمد فقالا انهاليست بواجبة وروى عن مالك مثل قول ابى حنيفة وسبب اختلافهم شيئان: احدهما هل فعله صلى الله عليه وسلم فى ذلك محمول على الوجوب أو على الندب وذلك انه لم يترك صلى الله عليه وسلم الضحية قط فيما روى عنه حتى فى السفر على ماجاء فى رواية ثوبان قال ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم اضحيته ثم قال اصلح لحم هذه الضحية فلم ازل اطعمه منها حتى قدم المدينة، والسبب الثانى اختلافهم فى مفهوم الاحاديث الواردة فى احكام الضحايا وذلك انه ثبت عنه صلى الله عليه وسلم من حديث ام سلمة انه قال اذا دخل العشر فاراد احدكم ان يضحى فلاياخذ من شعره شيئا ولامن اظفاره قالوا: فقوله اذا اراد احدكم فيه دليل على انها ليست بواجبة ولماامر عليه السلام لابى بردة باعادة اضحيته اذ ذبح قبل الصلوٰة فهم قوم من ذلك الوجوب

وقال الحافظ قال ابن حزم لايصح عن احد من الصحابة انها واجبة وصح انها غير واجبة عن الجمهور ولاخلاف فى كونها عن شرائع الدين وهى عند

الشافعية سنة مؤكدة على الكفاية وفى وجه لهم من فروض الكفاية وعن ابى حنيفة تجب على المقيم الموسر وعن مالك مثله فى رواية لكن لم يقيد بالمقيم ونقل عن الاوزاعى وربيعة والليث مثله وقال احمديكره تركهامع القدرة، وعنه واجبة واقرب مايتمسك للوجوب حديث ابى هريرة رفعه: من وجد سعة فلم يضح فلايقربن مصلانا، اخرجه ابن ماجة واحمد ورجاله ثقات لكن اختلف فى ووفعه رقفه والموقوف اشبه بالصواب ومع ذلك ليس صريحا فى الايجاب واستدل من قال بعدم الوجوب بحديث ابن عباس كتب عليّ النحر ولم يكتب عليكم وهو حديث ضعيف اخرجه احمد و ابويعلى والطبرانى والدار قطنى وصححه الحاكم فذهل مختصرا۔[۱۵۷]

اس بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی مقیم صاحب نصاب پرواجب ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب نہیں ہے سنت مؤکدہ ہے۔اس سلسلے میں سب کے اپنے اپنے دلائل دیئے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ شارح نے مذکورہ بالا مبحث میں سمیٹ دیا ہے اور دوسرے ائمہ کے بھی اقوال کو ذکر کردیا ہے جس سے بحث واضح ہوکر سامنے آگئی ہے۔

زندیق جو اسلام ظاہر کرے کفر کو چھپائے یا مرتد جو اسلام سے پھر جائے اس کے بارے میں کیا حکم ہوگا اس بارے میں مختلف احادیث مروی ہیں اور اسی بنا پر علما نے کتب احادیث میں اس کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے اور پھر شارحین نے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں منقول علما وفقہا کے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔

موطا مالک میں بھی القضاء فیمن ارتد عن الاسلام کے عنوان سے مستقل ایک باب ہے، اسی باب میں مرتدین سے متعلق امام مالک کی اپنی رائے بھی ذکر کی گئی ہے۔اس کی شرح کرتے وقت بحث کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹتے ہوئے شارح موطا صاحب اوجز المسالک لکھتے ہیں:

وقال النووی فی الزندیق خمسة اوجه لاصحابنا اصحها قبولها .

وقال الحافظ استدل به اى بعموم حديث الباب على قتل الزنديق من غير استتابة وتعقب بان فى بعض طرقه ان عليا استتابهم وقد نص الشافعى على القبول مطلقا وقال يستتاب الزنديق كما يستتاب المرتد، وعن احمد وابى حنيفه روايتان: احداهما لايستتاب والاخرى ان تكرر منه لم تقبل توبتة وهو قول الليث واسحاق والاول هو المشهور عندالمالكية وحكى عن مالك ان جاء تائبا يقبل منه والا لا، وبه قال ابويوسف واختاره الاستاذ ان: ابواسحق الاسفرائينى وابومنصور البغدادى وعن بقية الشافعية اوجه كالمذاهب المذكورة وخامس يفصل بين الداعية فلايقبل منه وتقبل توبة غير الداعية وافتى ابن الصلاح بان الزنديق اذا تاب تقبل توبته ويعزر فان عاد بادرناه بضرب عنقه ولم يمهل، ومن حجة من استتابهم قوله تعالى: اتخذوا ايمانهم جنة، فدل على ان اظهار الايمان يحصن من القتل وكلهم اجمعوا على ان احكام الدنيا على الظاهر والله يتولى السرائر وقد قال صلى الله عليه وسلم هلا شققت قلبه و قال للذى سارع فى قتل رجل اليس يصلى قال نعم قال اولئك نهيت عن قتلهم وفى بعض طرق ابى سعيد ان خالدبن الوليد لمااستاذن فى قتل الذى انكر القسمة وقال كم من مصل يقول بلسانه ماليس فى قلبه فقال صلى الله عليه وسلم انى لم اومر ان انقب عن قلوب الناس اخرجه مسلم.

وقال الموفق مفهوم كلام الخرقى انه اذا تاب قبلت توبته ولم يقتل اى كفر كان وسواء كان زنديقا يسر الكفر أولم يكن، وهذا مذهب الشافعى والغبرى ويروى ذلك عن على وابن مسعود وهو احدى الروايتين عن احمد واختيار الخلال وقال انه اولى على مذهب ابى عبدالله والرواية انه لاتقبل توبته وهوقول مالك والليث واسحق وعن ابى حنيفة روايتان كهاتين واختار ابوبكر انه لاتقبل توبته

لقوله تعالیٰ: الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا، والزندیق لاتظهر علامة تبین رجوعه وتوبته لانه كان مظهر اللاسلام مسرا لفكر واذا وقف علی ذلك فاظهر التوبة لم يزد علی ماكان منه قبلها وهو اظهار الاسلام۔ ۱۵۸؎

اس پوری طویل بحث کا ماحصل یہ ہے کہ زندیق سے توبہ لی جائے گی اور اس کی توبہ قبول کی جائے گی البتہ کچھ علما کا یہ کہنا ہے کہ توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اس سلسلے میں دونوں فریق کے اپنے دلائل ہیں اور ان دلائل کی روشنی میں ان کے اقوال سمجھے جاتے ہیں، صاحب اوجز نے بھی اس بحث کو اختصار کے ساتھ سمیٹ کر ان کے دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے اور مسئلے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس مسئلے میں بھی مصنف نے اپنی کوئی رائے قائم نہیں کی ہے اور نہ ہی اپنے شیوخ سے کوئی قول نقل کیا ہے اور نہ ہی انھوں نے کسی قول کی ترجیح کی ہے جس سے یہ واضح نہیں ہو پاتا کہ کون سا قول اقرب الصواب ہے۔

جادو کے سیکھنے کا تذکرہ قرآن کریم کی سورہ البقرہ میں آیا ہے لیکن جادو کا سیکھنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ باب ماجاء فی الغيلة والسحر موطا مالک کا ایک مستقل باب ہے اور اس میں اسی سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور احادیث کی تقریباً تمام کتابوں کو اس قسم کے ابواب قائم کیے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر شارحین حدیث نے اس کے جواز وعدم جواز پر گفتگو کی ہے۔

صاحب اوجز المسالک نے بھی اس پر اکابر کے اقوال کی روشنی میں گفتگو کی ہے اور مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الموفق: ان تعلمه وتعليمه حرام لانعلم فيه خلافا بين اهل العلم وقال اصحابنا يكفر الساحر بتعلمه وفعله سواء اعتقد تحريمه أو اباحته وروی عن احمد مايدل علی انه لايكفر قال اصحاب ابی حنيفة ان اعتقد ان الشياطين تفعل له ما يشاء كفر وان اعتقد انه تخييل لم يكفر وقال الشافعی ان اعقتد مايوجب الكفر مثل التقرب الی الكواكب السبعة وانه تفعل مايلتمس او اعتقد حل السحر

كفر لان القرآن نطق بتحريمه وثبت بالنقل المتواتر والاجماع عليه والا فسق ولم
يكفر لان عائشة مدبرة لها سحرتها بمحضر من الصحابة ولوكفرت لصارت مرتدة
يجب قتلها ولم يجز استرقاقها ولناقوله تعالیٰ: واتبعوا ماتتلوا الشياطين على ملك
سليمان وماكفر سليمان ولكن الشياطين كفروا الى قوله: ومايعلمان من احد حتى
يقولا انمانحن فتنة فلاتكفر. اى تتعلمه فتكفر بذلك وقد روى هشام عن ابيه عن
عائشة قصة طويلة لامراة ذهبت الى هاروت وماروت لتعلم السحر فامراها بالبول
فى التنور ففعلت فرات كان فارسا خرج منها حتى طار الى السماء فقالا ذلك ايمانك
فذكر القصة بطولها ثم قال وقال على ان الساحر كافر ويحتمل ان المدبرة ثابت
فسقط عنها القتل والكفر ويحتمل انها سحرتهابمعنى انهاذهبت الى ساحر سحر لها
وقال الدر دير فى باب الردة هى كفر المسلم بصريح من القول او لفظ يقتضيه أو
فعل يتضمنه كالقاء مصحف بقذر وسحر وعرفه ابن العربى بانه كلام يعظم به غير
الله وينسب اليه المقادير والكائنات وعلى هذا فقول الامام ان تعلم السحر وتعليمه
كفرو ان لم يعمل به ظاهر فى الغاية وفى الدرالمختار ان تعلم العلم يكون فرض
عين وفرض كفاية ومندوبا وحراماوعدمنه السحر قال ابن عابدين قال الشمنى:
تعلمه وتعليمه حرام ومقتضى اطلاقه ولوتعلم لدفع الضرر عن المسلمين وفى
ذخيرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر اهل الحرب وحرام ليفرق به بين المراة
وزوجها وجائز ليوفق بينهما وذكر فى تبيين المحارم عن الامام ابى منصور ان
القول بان السحر كفر على الاطلاق خطا۔ ويجب البحث عن حقيقته فان كان فى
ذلك رد مالزم فى شرط الايمان فهو كفر والا فلا، ثم قال ابن عابدين بعد ذكر
الانواع الثلاثة من السحر المذكورة فى البحث الاول فهذه انواع السحر الثلاثة قد
تقع بما هو كفر من لفظ أو اعتقاد أو فعل وقدتقع بغيره كوضع الاحجار وللسحر

فصول كثيرة فی كتبهم فليس مايسمی سحرا كفرا اذ ليس التكفير به لما يترتب عليه من الضرر بل لمايقع به مما هو كفر كاعتقاد انفراد الكواكب بالربوبية أو اهانة قرآن أو كلام مكفر ونحو ذلك.[۱۵۹]

اس پوری بحث کا ملخص یہی ہے کہ جادو کے سلسلے میں بعض علما نے مطلقاً اس بات کا قول کیا ہے کہ اس کا سیکھنا کفر ہے لیکن بنظر غائر مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں تفصیل ہونی چاہیے اگر سحر سیکھنے میں کوئی کفری کام کا ارتکاب یا کسی کفری قول کا تلفظ یا اعتقاد کرنا پڑے تو ظاہر ہے کفر ہوگا ورنہ نہیں یوں ہی مقاصد پر بھی نظر رکھنی ہوگی مقاصد اگر وہ نہ ہوں جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ جائز ہوگا اور اگر مقاصد برے ہوں تو برے مقاصد کی درجہ بندی کے لحاظ سے حکم کی بھی درجہ بندی ہوگی۔

زانی اگر شادی شدہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو رجم کیا جائے گا اس کے ثبوت میں وہ آیت پیش کی جاتی ہے جس کی تلاوت تو منسوخ ہو چکی ہے لیکن حکم اب بھی باقی ہے اس سلسلے میں سب سے اہم روایت جو منقول ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو لے کر مخالفین اسلام قرآن کریم پر بھی اعتراضات کرتے ہیں یہ روایت موطا مالک میں بھی ہے جو باب ماجاء فی الرجم کے تحت مندرج ہے اس حدیث کے ضمن میں صاحب اوجز المسالک لکھتے ہیں:

قال الرزقانی والذی يظهر ليس مرادا عن هذا الظاهر وانما مراده المبالغة والحث علی العمل بالرجم لان المعنی ان الآية باق وان نسخ لفظها اذلا يسع مثل عمر مع مزيد فقهه تجويز كتبها مع نسخ لفظها فلا اشكال۔

وفی الكواكب الدری ليس المراد ان اكتبه حيث تكتب آيات الكتاب لانه حرام فكيف يكتفی بالكراهية وانما يعنی ان اكتبه فی حوامش المصاحف حتی ينظر اليه من يقرأ المصحف الا ان الامر بتجريد القرآن يمنعنی عن ذلك لئلا ينجر الامر بالآخرة الی ادخاله فيه

وقال الباجی يحتمل قوله ان يقول الناس الخ ان قوما خالفوه فی ان آية

الـرجـم نـزلـت فيمـانزل من القرآن ولايصح اثبات قرآن الا باجماع وخبر متواتر فيـقـول مـن يـخـالـفه انه زاد فى القرآن ماليس منه ومن يوافقه على انها نزلت فى الـقـرآن يـقـول زاد فـى الـقـرآن مـالا يـجـوز ان يثبت فيه لكونه مختلفا فى اثباته ويـحـتـمـل وجهـا آخر وهو ان يكون جميع الناس وافقوه على انهانزلت فى القرآن ولـكـن نسـخت تلاوتها وبقى حكمها فلايجوز اثباتها فى المصحف لانه لايثبت فيه الا مـاثبتـت تـلاوتـه دون مـانسـخت تلاوته وان بقى حكمه فيكون عمر انما توقف مـخـافة ان يقول الناس زاد عمر بان كتب فيه مالا يكتب فيه لانه قد نسخ اثباته فى الـمـصحف كما نسخت تلاوته ثم ذكر الآية التى اشار اليها ولم يخالفه احد فيماذكر مـن احـكام هذه القضية ويقتضى ذلك اهتبال الناس من عصره بأمر القرآن والمنع مـن ان يـزاد فيـه مالم يثبت فى المصحف او ينقص منه يشئ لانه اذا منعت الزيادة فبـان يـمـنـع الـنقص اولى لان الزيادة انما تمنع لئلا يضاف الى القرآن ماليس منه ونـقـص بـعض القرآن اطراحه اشد ولعل ما اضيف إلى وغيره من اثبات قنوت أو غيـره فـى المصحف انما كان فى اول زمن عمر ثم وقع الاجتماع بعد ذلك على المنع مـنه وقال النووى وهذا ممانسخ لفظه وبقى حكمه وقد وقع نسخ حكم دون لفظ وقد وقـع نسـخهـمـا جـميعـا فـمـا نسخ لـفظه ليس حكم القرآن فى تحريمه على الجنب ونـحـوذلك وفـى تـرك الـصـحـابة كتـابة هـذه الآية دلالة ظـاهرة على ان المنسوخ لايـكتب فى المصحف وفى اعلان عمر كون هذه الآية من القرآن وسكوت الصحابة عليه دليل على ان الآية كانت من القرآن ثم نسخت ۔[۱۶۰]

اس پوری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ الشیخ والشیخۃ والی آیت کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے اور حکم باقی ہے اور حضرت عمر کے فرمان کا مقصد صرف یہ ہے کہ آیت رجم کی تلاوت منسوخ ہونے کے باعث اور قرآن کریم میں اس کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس سے غفلت نہیں ہونی چاہیے اور اگر منسوخ

تلاوت آیت لکھا جانا ممنوع نہ ہوتا تو میں ضرور اسے قرآن کریم میں لکھ دیتا کہ لوگ اس آیت کے حکم سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس پوری بحث سے بات واضح ہو جاتی ہے اور قرآن میں تغیر وتبدل کا شبہ پیدا کرنے والوں کی بات نہایت لچر معلوم ہوتی ہے۔

نشہ آور مشروب جتنے بھی ہیں سب تینوں ائمہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے اسی پر بحث کرتے ہوئے کتاب الاشربۃ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان الاشربة المسكرة كلها حرام عند الائمة الثلاثة والامام محمد رضى الله عنهم اجمعين فانهم جعلوا كلها خمراً وحرموا كل انواعها بلاتفصيل و تفريق والحنيفة اهل الرأى الثاقب لما امعنوا النظر فى الروايات المختلفة فى هذا الباب ورأو عمل جمهور الصحابة لاسيما اكابر الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين فرقوا فى انواع الاشربة وجعلوها ثلاثة انواع كما سيأتى بيانها، قال ابن عابدين قد ورد فى حرمة المتخذ من التمر احاديث وفى حلّه احاديث فاذا حمل المحرّم على النهى والمحلل على المطبوخ فقد حصل التوفيق واندفع التعارض ۔ عينى ۔ والاحاديث الواردة كلها صحاح ساقها الزيلعى ووفق بما ذكر فراجعه، قال الاتقانى وقد اطنب الكرخى فى رواية الآثار عن الصحابة والتابعين بالاسانيد الصحاح فى تحليل انبيذ الشديد والحاصل ان الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم واهل بدر كعمر وعلى ابن مسعود وابى مسعود كانوا يحلونه وكذا الشعبى وابراهيم النخعى وروى ان الامام اباحنيفة قال لبعض تلامذته ان من احدى شرائط السنة والجماعة ان لايحرم نبيذا الجرد فى المعراج قال ابوحنيفة لواعطيت الدنيا بحذافيرها لاافتى بتحريمها لان فيه تفسيق الصحابة ولو اعطيت الدنيا لشربها لااشربها لانه لاضرورة فيه وهذا غاية تقوى۔

یعنی فی کلا الامرین فی تفسیق بعض الصحابة رضی الله عنهم اجمعین وفی الاحتیاط عن استعمال المختلف فیه بین الائمة فی الحلة والحرمة واذا ثبت ذلك فاعلم ان الائمة الثلاثة رضی الله عنهم اجمعین حرموا جمیع انواعها بلاتفریق ولاشك فی ان الاحوط فی هذا الزمان هو مذهبهم شکر الله فیه سعیهم ۔[۱۶۱]

اس پوری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ تینوں ائمہ مشاہیر اور امام محمد کے نزدیک بلاتفریق تمام انواع کے مشروب جونشہ آور ہوں وہ حرام ہیں لیکن امام ابوحنیفہ کے مطابق نبیذ حرام نہیں ہے کیوں کہ اگر اسے حرام مان لیا جائے تو صحابہ کی تفسیق لازم آئے گی اور نص میں تاویل کر لینا صحابہ کی تفسیق سے جو ہدایت کے منارے ہیں، آسان ہے۔

اس اہم بحث کو شارح نے نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ سب کے دلائل کی طرف بھی اشارہ ہو گیا ہے اور نفس مسئلہ بھی واضح ہو گیا ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہی اس زمانے میں احوط ہے غور طلب ہے کیوں کہ اگر نبیذ کی تحلیل مختلف آثار کی روشنی میں ہوتی ہے اور وہ سارے آثار صحابہ صحیح ہیں تو پھر کیا وجہ ہے آج بھی تحلیل نبیذ کا قول احوط نہ ہو۔ کیا آج کے زمانے میں نبیذ کی تحریم سے آثار صحابہ کی روشنی میں صحابہ کی تفسیق لازم نہیں آئے گی؟ اس سے قطع نظر بحث کو انھوں نے عمدگی کے ساتھ سمیٹا ہے اور اس کے مختلف گوشوں کو اقوال علما کی روشنی میں واضح کر دیا ہے۔

ماسبق میں ذکر کیے گئے مختلف جلدوں کے مختلف نمونوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہوگی کہ اوجز المسالک کس اہمیت کی حامل ہے اور اس میں کس قسم کے اعلیٰ مباحث شامل ہیں اور مصنف نے اس کی تالیف میں کتنی محنت و مشقت سے کام کیا ہے۔ کتاب میں مشمولہ مباحث تو بہت ہیں لیکن سارے پیش کردہ نمونے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں جو کتاب کے مباحث اور ان کی قیمت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں اور یہی ہمارا مقصود بھی ہے۔

میں نے اپنے اس مقالے میں موضوع کے مطابق مصنف موصوف کی خدمات کو پورے طور پر جمع

کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی خدمات، تدریسی بھی ہیں اور تصنیفی بھی۔خدمات حدیث کے علاوہ تمام دوسرے موضوعات کی کتابوں کا تعارف بھی پیش کردیا گیا ہے تاکہ قارئین کے سامنے مصنف موصوف کی تمام خدمات اجاگر ہوجائیں۔اس مقالے میں میں نے مولانا محمد زکریا صاحب کی تمام خدمات حدیث کو جمع کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے تاکہ مقالہ اپنے موضوع پر پورا پورا اترے۔اب اس کا فیصلہ قارئین حضرات کریں گے کہ میں اپنی اس کوشش میں کتنا کامیاب ہوں۔

حوالہ جات

۱ مقدمہ اوجز المسالک:ص:۱۱۔۱،مولانا محمد زکریا کاندھلوی،المکتبۃ العلمیہ ،مظاہر العلوم،سہارنپور
۲ نفس مصدر: ص:۳۴۔۱۱
۳ نفس مصدر: ص:۵۳۔۳۵
۴ نفس مصدر: ص:۶۷۔۵۳
۵ نفس مصدر: ص:۶۷۔۶۷
۶ نفس مصدر: ص:۸۴۔۷۶
۷ نفس مصدر: ص:۸۰
۸ دیکھیے مقدمہ اوجز المسالک،ص:۵۳۔۵۱، نیز دیکھیے،اوجز المسالک تمام جلدوں میں
۹ اوجز المسالک: ج:۱ص:۱
۱۰ نفس مصدر: ص:۱۹
۱۱ نفس مصدر: ص:۵۳
۱۲ نفس مصدر: ص:۵۶
۱۳ نفس مصدر: ص:۷۲
۱۴ نفس مصدر: ص:۷۵
۱۵ نفس مصدر: ص:۸۳
۱۶ نفس مصدر: ص:۱۱۰
۱۷ نفس مصدر: ص:۱۳۵
۱۸ نفس مصدر: ص:۱۶۲
۱۹ نفس مصدر: ص:۱۶۴
۲۰ نفس مصدر: ص:۱۶۷
۲۱ نفس مصدر: ص:۱۷۰
۲۲ نفس مصدر: ص:۲۳۳

۲۳؎ نفس مصدر: ص:۲۳۸

۲۴؎ نفس مصدر: ص:۲۴۷

۲۵؎ نفس مصدر: ص:۲۴۹

۲۶؎ نفس مصدر: ص:۲۹۲

۲۷؎ نفس مصدر: ص:۳۱۰

۲۸؎ نفس مصدر: ص:۵۳۵

۲۹؎ نفس مصدر: ص:۳۴۳

۳۰؎ نفس مصدر: ص:۳۵۴

۳۱؎ نفس مصدر: ص:۳۷۵

۳۲؎ نفس مصدر: ص:۳۸۰

۳۳؎ نفس مصدر: ص:۴۰۱

۳۴؎ نفس مصدر: ص:۴۵۰

۳۵؎ نفس مصدر: ص:۱

۳۶؎ نفس مصدر: ص:۱۲

۳۷؎ نفس مصدر: ص:۳۴

۳۸؎ نفس مصدر: ص:۴۱

۳۹؎ نفس مصدر: ص:۵۰

۴۰؎ نفس مصدر: ص:۶۲

۴۱؎ نفس مصدر: ص:۸۶

۴۲؎ نفس مصدر: ص:۹۸

۴۳؎ نفس مصدر: ص:۱۲۰

۴۴؎ نفس مصدر: ص:۱۵۰

۴۵؎ نفس مصدر: ص:۱۶۵

۴۶ نفس مصدر: ص:۱۹۸
۴۷ نفس مصدر: ص:۲۳۵
۴۸ نفس مصدر: ص:۲۵۸
۴۹ نفس مصدر: ص:۲۷۴
۵۰ نفس مصدر: ص:۳۰۷
۵۱ نفس مصدر: ص:۳۳۸
۵۲ نفس مصدر: ص:۳۴۶
۵۳ نفس مصدر: ص:۳۷۰
۵۴ نفس مصدر: ص:۳۸۵
۵۵ نفس مصدر: ص:۴۱۱
۵۶ نفس مصدر: ص:۴۲۰
۵۷ نفس مصدر: ص:۳
۵۸ نفس مصدر: ص:۱۳
۵۹ نفس مصدر: ص:۳۴
۶۰ نفس مصدر: ص:۸۳
۶۱ نفس مصدر: ص:۹۹
۶۲ نفس مصدر: ص:۱۱۰
۶۳ نفس مصدر: ص:۱۲۲
۶۴ نفس مصدر: ص:۱۲۵
۶۵ نفس مصدر: ص:۱۳۲
۶۶ نفس مصدر: ص:۱۳۶
۶۷ نفس مصدر: ص:۱۴۱
۶۸ نفس مصدر: ص:۱۹۷

۶۹ے نفس مصدر: ص:۲۰۸
۷۰ے نفس مصدر: ص:۲۳۰
۷۱ے نفس مصدر: ص:۲۳۶
۷۲ے نفس مصدر: ص:۲۵۷
۷۳ے نفس مصدر: ص:۲۷۵
۷۴ے نفس مصدر: ص:۳۰۸
۷۵ے نفس مصدر: ص:۳۳۷
۷۶ے نفس مصدر: ص:۳۸۹
۷۷ے نفس مصدر: ص:۴۰۲
۷۸ے نفس مصدر: ص:۳
۷۹ے نفس مصدر: ص:۱۷
۸۰ے نفس مصدر: ص:۲۹
۸۱ے نفس مصدر: ص:۳۴
۸۲ے نفس مصدر: ص:۴۳
۸۳ے نفس مصدر: ص:۸۲
۸۴ے نفس مصدر: ص:۹۸
۸۵ے نفس مصدر: ص:۱۳۴
۸۶ے نفس مصدر: ص:۱۶۸
۸۷ے نفس مصدر: ص:۱۸۰
۸۸ے نفس مصدر: ص:۱۹۲
۸۹ے نفس مصدر: ص:۲۰۳
۹۰ے نفس مصدر: ص:۲۲۳
۹۱ے نفس مصدر: ص:۲۴۵

۹۲ نفس مصدر: ص:۲۵۲

۹۳ نفس مصدر: ص:۲٦۷

۹۴ نفس مصدر: ص:۲۷۸

۹۵ نفس مصدر: ص:۲۸۴

۹٦ نفس مصدر: ص:۳۰۹

۹۷ نفس مصدر: ص:۳۴۲

۹۸ نفس مصدر: ص:۳۸۵

۹۹ نفس مصدر: ص:۵۹۲

۱۰۰ نفس مصدر: ص:٦۰۱

۱۰۱ نفس مصدر: ص:٦۳۹

۱۰۲ نفس مصدر: ص:٦۸۵

۱۰۳ نفس مصدر: ص:۱

۱۰۴ نفس مصدر: ص:۱۳

۱۰۵ نفس مصدر: ص:۴۸

۱۰٦ نفس مصدر: ص:٦۸

۱۰۷ نفس مصدر: ص:۹۲

۱۰۸ نفس مصدر: ص:۱۲۱

۱۰۹ نفس مصدر: ص:۱۷۲

۱۱۰ نفس مصدر: ص:۱۹۹

۱۱۱ نفس مصدر: ص:۲۱۸

۱۱۲ نفس مصدر: ص:۲۲۴

۱۱۳ نفس مصدر: ص:۲۴۳

۱۱۴ نفس مصدر: ص:۲۴۸

۱۱۵ نفس مصدر: ص:۲۶۴

۱۱۶ نفس مصدر: ص:۲۷۷

۱۱۷ نفس مصدر: ص:۳۹۵

۱۱۸ نفس مصدر: ص:۴۰۹

۱۱۹ نفس مصدر: ص:۴۴۰

۱۲۰ نفس مصدر: ص:۴۴۸

۱۲۱ نفس مصدر: ص:۴۷۱

۱۲۲ نفس مصدر: ص:۴۸۰

۱۲۳ نفس مصدر: ص:۱

۱۲۴ نفس مصدر: ص:۳۰

۱۲۵ نفس مصدر: ص:۳۴

۱۲۶ نفس مصدر: ص:۳۹

۱۲۷ نفس مصدر: ص:۴۸

۱۲۸ نفس مصدر: ص:۵۳

۱۲۹ نفس مصدر: ص:۶۰

۱۳۰ نفس مصدر: ص:۶۶

۱۳۱ نفس مصدر: ص:۷۸

۱۳۲ نفس مصدر: ص:۸۷

۱۳۳ نفس مصدر: ص:۸۷

۱۳۴ نفس مصدر: ص:۱۰۷

۱۳۵ نفس مصدر: ص:۱۲۳

۱۳۶ نفس مصدر: ص:۱۴۱

۱۳۷ نفس مصدر: ص:۱۷۰

۱۳۸؎ نفس مصدر: ص:۱۸۳
۱۳۹؎ نفس مصدر: ص:۲۰۴
۱۴۰؎ نفس مصدر: ص:۲۱۸
۱۴۱؎ نفس مصدر: ص:۲۵۳
۱۴۲؎ نفس مصدر: ص:۳۰۴
۱۴۳؎ نفس مصدر: ص:۴۲۵
۱۴۴؎ نفس مصدر: ص:۴۷۷
۱۴۵؎ نفس مصدر: ص:۴۸۶
۱۴۶؎ نفس مصدر: ص:۴۹۴
۱۴۷؎ نفس مصدر: ص:۵۰۵
۱۴۸؎ نفس مصدر: ص:۵۰۹
۱۴۹؎ نفس مصدر: ج:۱،ص:۲۵۔۲۲
۱۵۰؎ نفس مصدر: ج:۱،ص:۱۸۳
۱۵۱؎ نفس مصدر: ج:۱،ص:۴۱۷۔۴۱۸
۱۵۲؎ نفس مصدر: ج:۲،ص:۱۸۔۱۹
۱۵۳؎ نفس مصدر: ج:۲،ص:۱۶۳
۱۵۴؎ نفس مصدر: ج:۳،ص:۱۰۲
۱۵۵؎ نفس مصدر: ج:۳،ص:۱۳۴
۱۵۶؎ نفس مصدر: ج:۴،ص:۳۳۔۳۴
۱۵۷؎ نفس مصدر: ج:۴،ص:۲۷۳۔۲۸۴
۱۵۸؎ نفس مصدر: ج:۵،ص:۲۸۹۔۲۹۰
۱۵۹؎ نفس مصدر: ج:۶،ص:۲۶۔۲۷
۱۶۰؎ نفس مصدر: ج:۶،ص:۸۵

کتابیات

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱۔	اخبار الاخیار (اردو):	شیخ عبدالحق دہلوی، دارالاشاعت بندر روڈ، کراچی، ۱۹۶۴ء
۲۔	اوجز المسالک شرح موطا امام مالک:	مولانا محمد زکریا صاحب، المکتبۃ العلمیۃ، مظاہر علوم، سہارنپور
۳۔	آپ بیتی (ترتیب جدید):	مولانا محمد زکریا کاندھلوی، کتب خانہ یحیوی، سہارنپور
۴۔	تاریخ الخلفاء:	علامہ جلال الدین سیوطی، م ۹۱۱ھ
۵۔	تاریخ بغداد:	خطیب بغدادی، قاہرہ، ۱۹۳۱ء
۶۔	تاریخ فرشتہ (اردو):	مکتبہ ملت دیوبند، ۱۹۷۳ء
۷۔	تاریخ مشائخ چشت:	مولانا محمد زکریا، مکتبہ اشاعت العلوم، سہارنپور، ۱۹۷۳ء
۸	تاریخ مظاہر العلوم:	مولانا محمد شاہد، کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور
۹۔	تاریخ کشمیر:	خواجہ اعظم شاہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ
۱۰۔	تذکرہ علماء ہند:	رحمان علی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
۱۱۔	تذکرہ مولانا محمد یوسف:	مولانا عزیز الرحمٰن، مکتبہ عبادیہ قصبہ نہٹور، بجنور
۱۲۔	تذکرۂ علماء جونپور:	پروفیسر ثناء اللہ، کلکتہ
۱۳	تراجم علماء حدیث:	امام خاں دہلی، ۱۹۳۸ء
۱۴۔	ترغیب والترہیب:	الحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری، م ۶۵۶، دارالکتب الملکیہ مصر، ۱۹۳۳ء
۱۵۔	تنبیہ الغافلین:	شیخ ابواللیث سمرقندی، م ۶۰۶ھ
۱۶۔	التہذیب التہذیب:	ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۲۵ھ
۱۷۔	الجامع الصغیر:	علامہ جلال الدین سیوطی، م ۹۱۱، المیمنیہ مصر، ۱۳۲۱ھ
۱۸۔	الجامع الصحیح للبخاری:	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، م ۲۵۶ھ
۱۹۔	حالات مشائخ کاندھلہ:	مولانا احتشام الحسن، ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی
۲۰۔	حجۃ اللہ البالغہ:	شاہ ولی اللہ صاحب، م ۱۱۷۶ھ

۲۱۔ حدائق حنفیہ: فقیر محمد، منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۹۴ء

۲۲۔ حلیۃ الاولیاء: حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، م ۴۳۰ھ، دارالکتاب بیروت، ۱۴۰۵ء

۲۳ الجرح والتعدیل: ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم الرازی، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۵۲ء،

۲۴۔ خزینۃ الاصفیاء: مفتی غلام سرور، نول کشور لکھنؤ

۲۵ الدرالمنثور: علامہ جلال الدین السیوطی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۳ء

۲۶ ذیل اللآلی: علامہ جلال الدین السیوطی

۲۷ تذکرۃ الموضوعات: محمد طاہر بن علی صدیقی

۲۸ سلسلۃ احادیث الضعیفہ: محمد ناصرالدین البانی، المکتبۃ الاسلامیہ مصر

۲۹۔ سفرنامہ ابن بطوطہ (اردو): نفیس احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۱ء

۳۰ سنن ترمذی: محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ ترمذی، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت

۳۱ سنن ابن ماجہ: محمد بن یزید ابوعبداللہ القزوینی، دارالفکر بیروت

۳۲ سنن ابوداؤد: ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، دارالکتاب، بیروت

۳۳۔ سنن دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد، م ۳۸۵ھ

۳۴۔ سنن نسائی: ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی

۳۵۔ الشارق: اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء، جامعہ اسلامیہ، مظفرپور، اعظم گڑھ

۳۶۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی: مولانا ابوالحسن ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ، ۲۰۰۳ء

۳۷۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی: مولانا محمد یوسف متالا، کتب خانہ یحیوی، سہارنپور

۳۸۔ ضعیف الجامع الصغیر: محمد ناصرالدین البانی، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۹۹۰ء

۳۹۔ الضعفاء والمتروکین: احمد بن علی بن شعیب النسائی، دارالمعرفۃ، بیروت ۱۹۸۶ء

۴۰۔ الضوء اللامع: علامہ سخاوی، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۳ھ

۴۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی: ایم برادرس، کتابستان دہلی

۴۲۔ فتح الباری: ابوالفضل احمد بن علی حجر عسقلانی، م ۸۵۲ھ

۴۳۔ فضائل اعمال: مولانا محمد زکریا کاندھلوی، جواد بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۷ء

۴۴۔ فوائد الفواد (اردو): امیر حسن، منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۹۴ء

۴۵۔ فہرست تالیفات شیخ زکریا: محمد شاہد کتب خانہ یحیوی سہارنپور

۴۶۔ الکامل: عزیز الدین علی بن محمد المعروف ابن اثیر جزری، م ۶۳۸ھ

۴۷۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی دارالفکر، بیروت

۴۸۔ کنز العمال: علاء الدین علی متقی، م ۹۷۵ھ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۶۸ء

۴۹۔ لامع الدراری شرح جامع البخاری: مولانا محمد زکریا صاحب المکتبۃ الیحیویۃ، سہارنپور، ۱۳۷۹ھ

۵۰۔ معارف العوارف: عبدالحئ حسنی

۵۱۔ مجمع الزوائد: حافظ نورالدین الہیثمی

۵۲۔ مجمع بحار الانوار: طاہر پٹنی، نول کشور، لکھنؤ ۱۳۱۴ھ

۵۳۔ مراۃ احمدی: نواب علی ضمیمہ بمبئی ۱۹۲۴ء

۵۴۔ مستدرک حاکم: محمد بن عبداللہ بن محمد، م ۴۰۵ھ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۳۴ھ

۵۵۔ مشکوٰۃ شریف: ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ العمری، م ۳۷ھ

۵۶۔ المعجم الصغیر: سلیمان بن احمد بن ایوب بن ابوالقاسم الطبرانی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء

۵۷۔ مقدمہ بذل المجہود: مولانا محمد زکریا کاندھلوی، سہارنپور

۵۸۔ منتخب التواریخ: عبدالقادر بدایونی، کالج پریس، کلکتہ ۱۸۶۹ء

۵۹۔ موطا امام مالک: ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک، م ۱۷۹ھ

۶۰۔ میزان الاعتدال: حافظ ذہبی، قاہرہ ۱۳۲۵ھ

۶۱۔ نزہۃ الخواطر: عبدالحئ حسنی، حیدرآباد ۱۳۵۰ھ

۶۲ النورع السافر: عبدالقادر العبدروسی، بغداد ۱۹۳۴ء

۶۳۔ ولی کامل: مولانا عزیز الرحمٰن، مدنی دارالتالیف، بجنور ۱۹۷۰ء